ابنِ صفی

جلد نمبر
18

جاسوسی دنیا

56- پہلا شعلہ
57- دوسرا شعلہ
58- تیسرا شعلہ
59- جہنم کا شعلہ

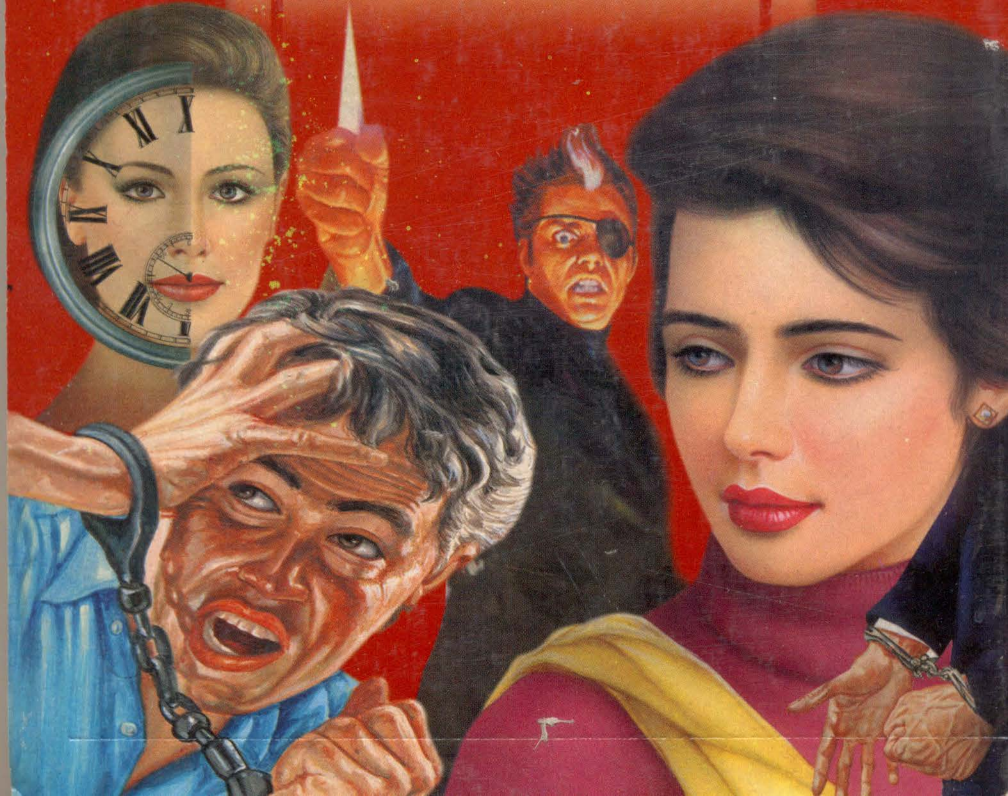

جاسوسی دنیا نمبر 57

دوسرا شعلہ

(دوسرا حصہ)

''وہی مجسمہ جسے تم اخلاقی اعتبار سے غیر قانونی کہہ رہے تھے۔''

''وہ لاش تھی۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ پھر ہنس کر بولا۔ ''نہیں ......آپ شائد مذاق کے موڈ میں ہیں۔''

''نہیں برخوردار سنجیدہ ہوں......وہ لاش ہی تھی ایک حیرت انگیز لاش۔ دنیا میں پہلی مثال ......ایک جلی ہوئی لاش جس کے خدوخال میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ تم نے اب تک درجنوں جھلسی ہوئی لاشیں دیکھی ہوں گی لیکن کیا وہ اس قابل تھیں کہ انہیں شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔''

''نہیں......اگر وہ لاش ہی تھی تو اس سے بڑا عجوبہ شائد روئے زمین پر نہ ملے۔''

''اس لڑکی کی بارات آئی تھی۔ نکاح ہونے ہی جارہا تھا کہ وہ کوئلے کے مجسمے میں تبدیل ہوگئی۔ یہ واقعہ اسی کمرے میں پیش آیا تھا۔ لڑکی کے ساتھ اس کی ایک سہیلی بھی تھی جس کا بیان ہے کہ اسے روشندان میں ایک شعلہ سا دکھائی دیا تھا۔ پھر اُسی شعلے سے آگ کی ایک باریک سی لکیر نکل کر لڑکی کے سر پر پڑی تھی۔ سہیلی کے بیان کے مطابق پہلے وہ نیچے سے اوپر تک کسی تپے ہوئے لوہے کی طرح سرخ ہوگئی پھر اُسی طرح آہستہ آہستہ وہ سرخی غائب ہوتی رہی جیسے لوہا ٹھنڈا ہوتا ہے۔ سرخی ختم ہوجانے کے بعد وہاں لڑکی کے بجائے سیاہ رنگ کا ایک مجسمہ نظر آیا۔''

''کہیں وہ عورت ہمیں بیوقوف تو نہیں بنارہی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔''

''ماتھر نے اسی لئے آپ کو بلایا تھا۔''

''ہاں......بلایا تو اسی لئے تھا لیکن پھر یہاں پہنچنے پر تمہاری حرکتوں کا علم ہوا۔''

''اور اس کے باوجود بھی آپ دلکشا میں جا پہنچے۔''

''حالات کا علم ہوجانے کے بعد تو وہاں قیام کرنا بہت ضروری ہوگیا تھا......میں دیکھوں گا کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔''

تمام شد

تاریک راستے

وہ کچھ دیر تک خاموشی سے چلتے رہے پھر دفعتاً فریدی ایک جگہ ٹھٹک کر رہ گیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم نرغے میں لئے جا رہے ہیں۔"

"کیوں......؟ کیسے معلوم ہوا آپ کو......؟"

"چھٹی حس......ٹھہرو یہاں اس جگہ ہم اپنا بچاؤ کر سکیں گے۔" فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ہوسکتا ہے آگے ہم کسی کھلی جگہ پر پہنچ جائیں......وہ دیکھو......!"

فریدی نے بائیں جانب والی چٹانوں کے سلسلے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا......میں نہیں سمجھا......!"

"وہ دیکھو......!"

"اوہ......وہ دھواں۔"

"ہاں......ایسا ہی دھواں جیسے کوئی سگریٹ پی رہا ہو۔"

"پھر کیا کیا جائے۔"

"کچھ نہیں......ادھر نشیب میں اتر چلو...... یہاں ہم اپنا بچاؤ کر سکیں گے۔اب ہمارے پاس

دو رائفلیں بھی ہیں۔"

پھر وہ ڈھلوان میں اترتے چلے گئے۔ اس طرح ان کا ایک پہلو محفوظ ہوگیا۔ اب صرف اسی طرف کی چٹانوں سے انہیں خطرہ ہوسکتا تھا جدھر انہوں نے سگریٹ کا دھواں دیکھا تھا۔ حمید اس کے علاوہ اور کچھ نہ سوچ سکا۔

وہ کافی دیر تک ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپے رہے لیکن دھوئیں کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ ان کے سروں پر ایک پہاڑی عقاب چکر لگاتا ہوا تیز آوازیں نکال رہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہیں کہیں قریب ہی اس کا گھونسلا رہا ہو۔

حمید نے دھوئیں کی طرف دیکھ کر بُرا سا منہ بنایا۔ "اسکی سگریٹ ختم ہی ہونے کو نہیں آتی۔"

"یہ سگریٹ کا دھواں نہیں ہوسکتا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"پھر......ابھی تو آپ ہی نے کہا تھا۔"

"کہا تھا...... جب تک غور نہ کیا جائے یہی کہا جاسکتا ہے۔ مگر میں اسے دیر سے دیکھ رہا ہوں۔ دھواں اوپر اٹھنے کے وقفے نپے تلے معلوم ہوتے ہیں کسی آدمی سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ ہر تیس سیکنڈ کے بعد سگریٹ کے کش لے گا۔ حمید صاحب، اکتیسواں سیکنڈ بھی نہیں ہونے پاتا۔ میں کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں۔"

"پھر یہ دھواں کیسا ہے۔"

"مشینی......سو فیصدی مشینی۔"

"مگر اس کا حجم تو زیادہ نہیں تھا۔"

"حجم کی کمی یا زیادتی سے کیا سروکار۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی بہت ہی چھوٹے سوراخ سے نکل رہا ہو۔"

"تو پھر ہمیں اپنی راہ کھوٹی نہ کرنی چاہئے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "ہم خواہ مخواہ یہاں بیٹھے مکھیاں مار رہے ہیں۔"

"حمید صاحب! اگر ہم اس ڈھلان کی بجائے دوسری طرف کی ڈھلان میں اترتے تو مکھیاں ہمیں مار لیتیں۔"

"کیوں......؟ میں نہیں سمجھا۔"

''یہ دھواں دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اسے دیکھ لینے کے بعد ہم پر قدرتی ردعمل یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم دوسری جانب والی ڈھلان میں اتر جاتے لیکن ہم اسی طرف چلے آئے۔ میرا دعویٰ ہے کہ دوسری جانب والی ڈھلان میں کئی آدمی ہماری تاک میں ہوں گے۔''

''میں اس دعویٰ کا ثبوت نہیں مانگوں گا۔'' حمید نے جلدی سے کہا۔ ''بس اب چپ چاپ نکل ہی چلئے......اسی میں عافیت ہے۔''

''اُلو.....!'' فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''ایسے دلچسپ مواقع اتفاق ہی سے ہاتھ آتے ہیں۔''

''ارے تو کفن بھی روز روز نہیں نصیب ہوتا۔'' حمید جھلا گیا۔

''ڈرو نہیں۔ اگر تم مر بھی گئے تو میں تمہاری قبر پر ایک بڑی شاندار عمارت بنواؤں گا۔''

''اور اس پر لکھوا دیجئے گا سرکاری بوچڑ خانہ......اب چلئے بھی یہاں سے۔''

''چلو......!'' فریدی پتھر کی اوٹ سے نکل کر ایک طرف چلنے لگا لیکن وہ اب بھی ڈھلوان ہی میں چل رہے تھے۔ کافی دور نکل جانے کے بعد بھی حمید مڑ مڑ کر اس دھوئیں کو دیکھتا رہا، جو اب بھی پہلے ہی کی طرح فضاء میں ابھرتا اور منتشر ہو جاتا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ ان لوگوں کو علم ہے کہ ہم دونوں ادھر ہی سے گذریں گے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ اگر نہیں تو پھر اسی جگہ یہ دھواں کیوں دکھائی دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں حمید اسے فریدی کا وہم سمجھنے پر مجبور ہو گیا۔ اگر انہیں معلوم تھا کہ ہم ادھر ہی سے گذر رہے ہیں تو اس شعبدے بازی سے کیا فائدہ گھیر کر مار کیوں نہیں لیتے۔

اچانک فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

''آج آپ کوئی زبردست غلطی کریں گے۔'' حمید بولا۔

''اگر وہ غلطی ہی ہوئی تو افسوس کرنے کا موقع نصیب نہ ہوگا......وہ دیکھو......ادھر......تین جگہوں پر ویسا ہی دھواں......اُف فوہ......اب ہم پوری طرح گھر گئے۔ مگر ٹھہرو۔''

وہ خاموش ہو کر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے بچاؤ کے راستے تلاش کر رہا ہو مگر پھر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر بولا۔ ''اچھی طرح گھر گئے......ذرا ہوش و حواس درست رکھنا۔''

وہ پھر پیچھے مڑے لیکن اس بار حمید کو یقین ہو گیا کہ یہ آخری سفر ہے۔ کیونکہ چاروں طرف کی چٹانیں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازوں سے گونجنے لگی تھیں۔ دفعتاً فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر

کھینچا اور پتلی سی دراڑ میں اترتا چلا گیا۔ یہ سوچے بغیر کہ اس اقدام کا انجام کیا ہوگا۔ دراڑ اتنی پتلی تھی کہ حمید کے شانے دونوں طرف سے رگڑ کھا رہے تھے اور دم تو اسی وقت گھٹنے لگا تھا جب اس نے اس میں قدم رکھا تھا۔ سامنے گہرا اندھیرا تھا اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان کا اگلا قدم انہیں تحت الثریٰ میں لے جائے گا یا وہ اسی طرح آسانی سے چلتے رہیں گے۔

''ڈرو نہیں چلے آؤ۔'' فریدی نے آہستہ سے کہا اور حمید نے اس کے ہاتھ میں ننھی سی ٹارچ دیکھ لی جو ہمیشہ اس کی جیب میں پڑی رہا کرتی تھی۔ یہ وہی ٹارچ تھی جو فریدی خانہ تلاشیوں میں استعمال کیا کرتا تھا۔

اب حمید کی جان میں جان آئی۔ لیکن پشت کی طرف سے بدستور خطرہ باقی تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اس دراڑ میں ان کی نظر بھی پڑ سکتی ہے۔ مگر پھر خیال آیا کہ اتنی تنگ دراڑ میں گھسنے کا خطرہ شائد ہی کوئی مول لے سکے۔

وہ چلتے رہے ان کے پیروں کے نیچے ناہموار زمین ضرور تھی لیکن ایسی بھی نہیں کہ انہیں چلنے میں دشواری ہوتی۔ ایک جگہ فریدی رک گیا۔ یہاں اتنی کشادگی تھی کہ وہ دونوں برابر سے بہ آسانی کھڑے ہو سکتے تھے۔

یہاں پہنچ کر حمید نے اپنے چہرے پر سرد ہوا کے جھونکے محسوس کئے لیکن فریدی کی ٹارچ ایک گہرے غار کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ آگے راستہ نہیں تھا۔ نیچے تاریکی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور ان کے سامنے کی خلاء بھی شائد کافی وسیع تھی۔ کیونکہ ٹارچ کی روشنی کی رسائی سامنے کی چٹانوں تک نہیں ہو سکی تھی۔ اب فریدی نے دائیں بائیں بھی روشنی ڈالنی شروع کی۔ بائیں طرف پاؤں رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی لیکن دائیں جانب انہیں ایک کشادہ چٹان مل گئی۔

''ادھر......!'' فریدی آہستہ سے بولا اور ٹارچ کی روشنی اس چٹان پر پڑی وہ دونوں تنگ دراڑ سے اس چٹان پر رینگ گئے۔

''میں تو بیٹھتا ہوں اب......!'' حمید بڑبڑایا۔

''تم لیٹ بھی سکتے ہو۔'' فریدی نے جواب دیا۔ اُس کی آواز میں اب بھی پہلے ہی کی سی شگفتگی موجود تھی۔

حمید سچ مچ اس چٹان پر لیٹ گیا۔ اس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ بہر حال اب گھٹن کا

احساس باقی نہیں رہا تھا کیونکہ دائیں جانب سے سرد ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے برابر آ رہے تھے۔

حمید نے ہاتھ پیر پھیلا کر ایک طویل انگڑائی لی اور دردناک آواز میں کراہا۔ ''یہ مصیبت خود میں نے ہی گلے لگائی ہے۔''

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ ''تمہاری درد بھری داستان پھر کبھی سن لوں گا۔''

''مگر یہ تو بتا ہی دیجئے کہ میں زندہ ہوں یا......!''

''تم پیدا ہوتے ہی مر گئے تھے۔ پرواہ نہ کرو۔ بس یہیں چپ چاپ پڑے رہنا میں آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں۔''

فریدی اُسی کشادہ چٹان پر چلنے لگا۔ پھر رک کر بولا۔ ''دراڑ کے دہانے پر خیال رکھنا۔ بیک وقت دو آدمیوں سے زیادہ تمہارے سامنے نہ آ سکیں گے اور دو آدمیوں کو روکنے کی ہمت تم میں ضرور ہوگی۔''

''میں اس وقت پونے دو آدمیوں سے بھی نپٹنے کی سکت نہیں رکھتا۔ پہاڑی آب و ہوا کا جانور نہیں ہوں۔ میری پرورش کولتار کی شفاف اور سپاٹ سڑکوں پر ہوئی ہے۔''

فریدی جواب دینے کی زحمت گوارا کئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

حمید چند لمحے یونہی بے حس و حرکت پڑا رہا پھر جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ دراڑ کے دہانے کی طرف کر دیا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ اس کا سر بُری طرح چکرا رہا تھا۔ اس نے اپنی ذہنی اور جسمانی کیفیت کے متعلق فریدی سے جو کچھ کہا تھا غلط نہیں تھا۔ اور اب یہاں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے نہ جانے کیوں اسے اسی طرح تھپکنا شروع کر دیا تھا جیسے وہ شراب پیئے رہا ہو۔ کچھ عجیب سی نیم غنودہ قسم کی کیفیت اس کے ذہن پر طاری تھی ورنہ اسے کم از کم اس ہلکی سی آواز کا احساس تو ہو ہی جاتا جو دراڑ کے دہانے کی طرف سے آئی تھی۔ ویسے وہ اس وقت چونکا جب کسی بہت ہی طاقتور ٹارچ کی روشنی اس پر پڑی۔ پھر اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا اور نہ یہی اس کی سمجھ میں آ سکا کہ حملہ آور تعداد میں کتنے ہیں۔ اس کے ذہن کی نیم غنودہ سی کیفیت گہری نیند میں تبدیل ہوگئی البتہ اس نے کسی کو یہ کہتے ضرور سنا تھا۔

''آہا...... یہ تو وہی ہے۔''

اس نے کچھ اور بھی کہا تھا لیکن اس کے الفاظ سوتے ہوئے ذہن کے دھندلکوں میں مدغم ہو گئے تھے۔

فریدی چلتا رہا...... اسے ایک جگہ بھی رکنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ کیونکہ زمین کی سطح ہموار تھی جیسے جیسے وہ آگے بڑھ رہا تھا ہوا کے جھونکوں میں شدت محسوس ہو رہی تھی البتہ تاریکی کا وہی عالم تھا۔ ٹارچ چھوٹی تھی اس لئے اس کی روشنی دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

فریدی کی رفتار تیز تھی۔ لیکن پیروں میں کریپ سول جوتے ہونے کی وجہ سے قدموں کی آواز تقریباً معدوم ہی سی ہو کر رہ گئی تھی۔

کئی بار چلتے چلتے رکا بھی...... شائد وہ آہٹ لے رہا تھا۔ اکثر اسے محسوس ہوتا جیسے تاریکی میں چھپی ہوئی کچھ آنکھیں اس کی نگرانی کر رہی ہوں۔

آج کے واقعات اُسے خواب کی باتیں معلوم ہو رہی تھیں اس پر اتنا منظم حملہ آج تک نہیں ہوا تھا۔ وہ مجرموں کے متعلق سوچنے لگا اگر یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے قاسم کو اغوا کیا ہے تو یہ معمولی قسم کے بدمعاش نہیں ہو سکتے۔ پھر کیا قاسم کا اغواء کسی خاص مقصد کے تحت عمل میں آیا تھا۔

اچانک وہ رک گیا اس وقت بھی وہ کوئی غیبی ہی طاقت تھی جس نے اس کے قدم روک لئے تھے۔ ورنہ وہ دوسرے ہی لمحے میں تحت الثریٰ کی سیر کر رہا ہوتا۔ وہ اس خیال سے ٹارچ کو کم استعمال کر رہا تھا کہ کہیں وہ کسی انتہائی اہم موقع پر دھوکا ہی نہ دے جائے۔ اس نے ٹارچ کی روشنی کی اور جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔

نادانستگی میں اس کا دوسرا قدم اسے موت ہی کی طرف لے جاتا۔

آگے پھر راستہ مفقود تھا۔ لیکن فریدی نے مایوس ہونا سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس نے چٹان کے کنارے پر بیٹھ کر نیچے روشنی ڈالی۔ تقریباً ایک گز نیچے ایسی جگہ نظر آئی جہاں وہ قدم رکھ سکتا تھا۔ روشنی کا دائرہ چاروں طرف تیزی سے گھوما اور فریدی نے اندازہ کر لیا کہ وہ نیچے اتر سکتا ہے۔

پھر وہ کچھ دور تک اترا بھی...... مگر...... اس کا اندازہ کرنا دشوار ہو گیا کہ وہ گہرائی کہاں پر ختم

ہوگی اور وہ راہ فرار ثابت بھی ہو سکے گی یا نہیں۔ ویسے یہ جگہ چھپنے کے لئے بہترین تھی۔ یہاں کسی ایک آدمی کو تلاش کرنے کے لئے پوری بٹالین بھی ناکافی ہوتی کیونکہ یہاں صدہا چھوٹے چھوٹے غار بھی موجود تھے اور گھٹن کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ یہاں بھی ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ فریدی نے ان کی سمت کا تعین تو کرلیا تھا لیکن گہری تاریکی کی وجہ سے نگاہ کام نہیں کرتی تھی۔ وہ یہ سوچ کر پلٹ پڑا کہ حمید کو بھی ساتھ لے کر واپس آئے گا۔

مسطح چٹان پر پہنچ کر وہ ایک لمحے کیلئے رکا اور پھر اسی طرف چلنے لگا جہاں حمید کو چھوڑ آیا تھا۔

اچانک کسی چیز کی ٹھوکر کھا کر وہ گرتے گرتے بچا۔ مگر کہاں......دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔

دو تین آدمی......فریدی دو تین آدمیوں کے بس کا نہیں تھا۔ ایک کی گردن اس کے بائیں بازو اور پسلی کے درمیان تھی اور دوسرا اس کے داہنے ہاتھ میں اپنا گلا چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً تیسرے نے ٹارچ روشن کرلی اور ساتھ ہی گرج کر بولا۔ ''خود کو چپ چاپ ہمارے حوالے کردو......ورنہ انجام......!''

''میں تھک گیا ہوں۔'' فریدی نے مضمحل آواز میں کہا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھ لیا تھا کہ دھمکی دینے والے کے ہاتھ میں ریوالور بھی موجود ہے۔ ساتھ ہی بچاؤ کا راستہ بھی اُسے نظر آ گیا۔ وہ مسطح چٹان کے سرے سے دور نہیں تھا۔ اس کی ذرا سی غفلت اسے ایک لامحدود گہرائی میں پہنچا سکتی تھی۔ فریدی یہ بھی سمجھتا تھا کہ اگر دو آدمی اس کی گرفت میں نہ ہوتے تو اب تک فائر کردیا گیا ہوتا۔

اس نے ان دونوں پر اپنی گرفت اور سخت کردی۔ ان کی گردنیں اس کے دونوں بازوؤں میں تھیں اور وہ دونوں اسے گرا دینے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

''انہیں چھوڑ کر اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔'' ٹارچ والا غرایا۔

''مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے گولی نہ مارو گے۔'' فریدی نے کہا۔

''نہیں ہم تمہیں معاف کردیں گے۔''

''لو......چھوڑتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور ساتھ ہی اچھل کر اس کے پیٹ پر ایک لات رسید کردی۔ پھر اپنے دونوں شکاروں سمیت چٹان پر گرتے وقت اس نے ایک طویل اور بھیانک چیخ سنی جو بڑی تیزی سے دور ہوتی جارہی تھی۔ ٹارچ والے کے پیر چٹان سے اکھڑ گئے تھے۔ ظاہر ہے

کہ اس کے بعد وہ سیدھا سینکڑوں فٹ گہری کھڈ میں جا پڑا ہوگا۔ اب یہ دونوں بڑے وحشیانہ انداز میں فریدی کو نوچ رہے تھے۔

فریدی نے ایک ایک کر کے انہیں بھی ان کے ساتھی کے پاس پہنچا دیا۔ پھر وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ اس کا ہاتھ کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا اور اس کا دل مسرت سے جھوم اٹھا۔ یہ حملہ آوروں کی بڑی ٹارچ تھی جس کے متعلق فریدی نے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ وہ بہت زیادہ طاقت کی ہے۔

اس نے ٹارچ اٹھالی اور پھر اسی طرف چلنے لگا جہاں حمید کو چھوڑا تھا۔ مگر اس نے ٹارچ کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ خطرے سے باہر نہیں ہے۔ لیکن حمید! ان لوگوں کی یہاں موجودگی کا مطلب تو یہی ہوسکتا تھا کہ یا تو حمید پکڑ لیا گیا ہوگا یا گولی ہی ماردی گئی ہوگی۔ دوسرا خیال فریدی کے لئے بڑا اذیت ناک تھا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ اچانک کچھ فاصلے سے آواز آئی۔ ”کون ہے۔“

مگر یہ آواز حمید کی نہیں تھی۔ دوبارہ پھر اُسی آواز نے یہی سوال دہرایا اور اس بار فریدی نے آواز کی سمت فائر کر دیا۔

ایک چیخ گونجی اور پھر بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ فریدی اس سے پہلے ہی چٹان پر نہ صرف لیٹ گیا تھا بلکہ سینے کے بل کھسکتا ہوا بڑی تیزی سے دوسری طرف جا رہا تھا۔ فائر برابر ہوتے رہے لیکن حملہ آوروں نے ٹارچ روشن کرنے کی ہمت نہیں کی۔ ویسے فریدی کے بائیں ہاتھ میں اب بھی بڑی ٹارچ موجود تھی اور وہ بڑی تیزی سے اس کھڈ کی طرف کھسک رہا تھا جہاں کچھ دیر قبل اس نے صدہا چھوٹے چھوٹے غار دیکھے تھے۔

موت جھپٹتی ہے

آنکھ کھل جانے کے باوجود بڑی دیر تک حمید کو ایسا محسوس ہوتا رہا جیسی وہ گہرے دھوئیں میں

گھر گیا ہو۔ اتنے گہرے دھوئیں میں کہ ایک فٹ کی چیز بھی بمشکل تمام دکھائی دے سکے۔

آہستہ آہستہ دھند چھٹتی گئی اور حمید کو گردو پیش کی چیزیں صاف نظر آنے لگیں۔ وہ کسی چھت کے نیچے تھا لیکن شائد اس کے نیچے کھردرا فرش ہی تھا اس نے کراہ کر کروٹ بدلی اور پھر یک بیک اٹھ بیٹھا۔ اس کے چاروں طرف پتھر کی ننگی دیواریں تھیں۔ ایک طرف ایک دروازہ بھی نظر آیا...... مگر وہ بند تھا اوپر ایک روشندان تھا اور اس کی اونچائی فرش سے تیرہ چودہ فٹ ضرور رہی ہوگی۔ اس کمرے میں حمید کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ یہ بات اس کے اونگھتے ہوئے ذہن ہی نے سوچی تھی کہ کمرے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اگر فرنیچر ہوتا تو وہ اپنے ساتھ اسے بھی شامل کر لیتا کیونکہ وہ جس حالت میں تھا وہ اسے جانداروں سے الگ کئے دے رہی تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ وہ اس وقت ایک ٹوٹی ہوئی کرسی سی بھی بدتر ہے۔

وہ تقریباً ایک گھنٹے تک فرش پر چت پڑا رہا۔ اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ پھر جب کسی نے دروازہ کھولا تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ کہیں زبان نہ ہلانی پڑ جائے۔

اچانک اسے بہت زور سے چھینک آئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی ناک میں کوئی چیز گھس رہی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے میں اسے ہنسی آ گئی۔ کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر اسے ایک بندر نظر آیا جس کے ہاتھ میں کاغذ کی ایک لمبی سی بتی تھی۔ شائد اسی نے اس کی ناک میں بتی چلائی تھی۔

بندر کے پیروں میں گھونگھرو پڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی حمید اٹھ کر بیٹھا بندر ناچنے لگا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسے چڑھا رہا ہو۔

حمید اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا اور وہ چھلانگیں مارتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ حمید اس کے پیچھے دوڑتا ہی رہا وہ اس کمرے سے نکل کر دوسرے میں پہنچا۔ یہاں بندر اچھل کر روشندان میں جا بیٹھا۔ حمید کی طرف دیکھ کر اس نے اس طرح دانت نکال دیئے جیسے کہہ رہا ہو۔ ”آؤ بیٹا اگر ہمت ہو تو اچھل کر آؤ یہاں۔“

پھر وہ دوسری طرف اتر گیا۔ اس کمرے کا دروازہ بند تھا البتہ اس کے اوپری حصے پر سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اس لئے دوسری طرف بہ آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

حمید نے دروازے کے قریب جا کر دوسری طرف جھانکا اور اس کی باچھیں کھل گئیں۔

دوسرے کمرے کے فرش پر ایک آدمی چت پڑا سو رہا تھا اور یہ آدمی قاسم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے دیکھا کہ بندر اس پر جھکا ہوا اس کی ناک میں بتی کر رہا ہے۔ اچانک قاسم کو اس زور سے چھینک آئی کہ پورا کمرہ جھنجھنا اٹھا۔ ساتھ ہی وہ دہاڑ کر اٹھ بیٹھا۔ بندر اچھل کر دوسرے روشندان پر جا چڑھا اب وہ وہاں کھڑا ناچ رہا تھا۔

''ابے او حرام زادے۔'' قاسم گھونسہ تان کر دوڑتا ہوا چنگھاڑا۔ ''جان سے مار دوں گا۔''

بندر دانت نکال کر چچیایا اور پھر ناچنے لگا۔ حمید کو بھی اس کے گھونگھروؤں کی ''چھنک چھنک'' زہر ہی لگ رہی تھی۔

قاسم نے غصے میں اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا اور پھر حمید کو بے تحاشہ ہنسی آ گئی کیونکہ قاسم کی آواز میں روہانسا پن پیدا ہو گیا تھا اور وہ اس بندر کو کسی الم رسیدہ بیوہ کی طرح صلواتیں سنا رہا تھا۔ شائد اس نے اسے تنگ کر ڈالا تھا۔

''قاسم......!'' دفعتاً حمید نے آواز دی۔

''آ......آئیں......!'' قاسم چونک کر مڑا لیکن اسے صرف اس کی پیشانی اور آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں اور شاید وہ اس کی آواز بھی نہیں پہچان سکا تھا۔

''قون ہے۔'' اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ پھر دروازے کے قریب آ کر اس نے زور سے قہقہہ لگایا کہ دیواریں تک جھنجھنا اٹھیں۔

''ارے غمید بھائی...... ہاہا...... ہاہا......!''

''دروازہ کھولو......!'' حمید نے کہا۔

''دروازہ نہیں کھلتا۔'' قاسم نے مایوسی سے کہا۔

''توڑ ڈالو......!''

''نہیں ٹوٹتا......سالا......کئی بار کوشش کر چکا ہوں۔''

''تم یہاں کیوں لائے گئے ہو۔''

''ارے......کباڑا کر دیا سالوں نے......اب تک مجھ سے ڈیڑھ لاکھ کے چیکوں پر دستخط لے چکے ہیں۔ میری چیک بک ان کے پاس ہے۔''

''اوہ......!'' حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''میں دستخط نہیں کرتا تو کھانا نہیں ملتا...... ادھر یہ سالا بندر...... قاسم پھر گھونسا تان کر مڑا۔ بندر اب بھی روشندان میں بیٹھا انہیں منہ چڑھا رہا تھا۔

''او قاسم......!'' حمید بڑبڑایا۔ ''دماغ ٹھنڈا رکھو۔''

''ارے کیا...... اب تو میں ان کی بوٹیاں اڑا دوں گا۔ تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں۔''

''آہا...... تم شائد یہ سمجھ رہے ہو کہ ہم نے چھاپہ مارا ہے۔''

''ہاں...... اور کیا......!''

''نہیں بیٹے...... میں بھی تمہاری ہی طرح پکڑ کر لایا گیا ہوں۔ پتہ نہیں فریدی صاحب کا کیا حشر ہوا۔ ہم دونوں ساتھ تھے۔''

''تب تو پھر بن گئی تمہاری بھی حجامت......!'' قاسم نے قہقہہ لگایا۔ ''چیک بک تمہارے پاس ہے۔''

''میں تمہاری طرح سرمایہ دار نہیں ہوں۔ مجھے تو وہ اپنی حجامت بنوانے کے لئے لائے ہیں۔ تم نے طلسم ہوشربا پڑھی ہے۔''

''نہیں تو......!''

''اس میں ایک کردار ہے عمرو عیار...... جہاں اس کے قدم جاتے تھے وہ سرزمین تباہ و برباد ہو جاتی تھی اور میں اپنے بارے میں بھی ابھی تک یہی دیکھتا آیا ہوں جس نے مجھے پکڑا اس کا بیڑا غرق ہوا۔''

''یہاں تمہارا ہی بیڑا غرق ہو جائے گا۔ ہائے ہائے۔'' قاسم نے مسکرا کر ہونٹوں پر زبان پھیری۔ یہی نہیں بلکہ مزے میں آ کر آنکھ مارنے کی بھی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اُسے آنکھ مارنے کا بھی سلیقہ نہیں تھا۔

''کیوں کیا بات ہے۔'' حمید نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

''یلا یلیاں...... فل فلوٹیاں...... ہی ہی ہی۔'' قاسم آنکھیں بند کر کے ہنسا۔

بندر جا چکا تھا اور اب اس کے گھونگھروؤں کی ''چھنک چھنک'' نہیں سنائی دے رہی تھی۔

''کہاں ہیں۔''

''یہیں ہیں......حمید بھائی۔'' قاسم اس طرح چہک کر بولا جیسے ڈیڑھ لاکھ گنوا بیٹھنے کا ذرہ برابر بھی افسوس نہیں۔

''تم نے دیکھا ہے انہیں۔''

''ارے یہاں آتی ہیں میرے پاس۔ مرغ مسلم کھلاتی ہیں۔ بکرے کی ران۔'' قاسم کسی ندیدے کی طرح منہ چلانے لگا پھر پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولا۔''مگر یہ سالا بندر میری زندگی تلخ کئے ہوئے ہے۔ سامنے سے روٹیاں لے بھاگتا ہے۔ سالن کی رکابیں الٹ دیتا ہے۔''

''ہوں......!'' حمید کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔''کیا انہوں نے ابھی تک تم سے صرف چیکوں پر دستخط لئے ہیں۔''

''ہاں......اس سالے بندر کے علاوہ اور مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔''

''کوئی تکلیف نہیں ہے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔''ارے تم یہاں کھردرے فرش پر بستر کے بغیر پڑے رہتے ہو۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہاں کھانے پینے کا آرام ہے۔ وہ مجھ سے گھر کے لئے خطوط بھی لکھواتی ہیں۔''

''کیسے خطوط۔''

''یہی کہ میں رام گڈھ میں ہوں۔ خیریت سے ہوں اور یہاں تقریباً دو ماہ قیام رہے گا۔''

''مرد نہیں آتے۔''

''آتے ہیں جب میں چیکوں پر دستخط کرنے سے انکار کر دیتا ہوں۔ پھر بندر بھی آنے لگتا ہے اور میری نیند حرام ہو جاتی ہے جہاں سویا کم بخت نے آ کر ناک میں بتی کر دی۔ اس کی ایسی کی تیسی......جس دن بھی ہاتھ آ گیا گردن مروڑ دوں گا۔''

''کیا تم نے ابھی حال میں ہی کسی چیک پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے۔''

''ہاں......یار کہاں تک کروں......ڈیڑھ لاکھ تو گئے۔''

''تم گدھے ہو۔'' حمید جھنجھلا گیا۔''تم نے دستخط کئے ہی کیوں۔''

''مجھ سے بھوک نہیں برداشت ہوتی۔''

''چیک کس کے نام کے ہوتے ہیں۔''

''نام نہیں لکھا جاتا...... صرف رقم لکھ کر مجھ سے دستخط لے لئے جاتے ہیں۔''

''کس بنک کی چیک بک ہے۔''

''بینک آف کیناڈا کی۔''

''تو بیٹا...... یادرکھو...... تمہارا سارا بیلنس صاف ہو جائے گا۔ صرف بینک آف کیناڈا ہی کی چیک بک ساتھ لائے تھے۔''

''ہاں اور وہ روحی کے یہاں تھی۔ میرے سوٹ کیس میں۔''

''آہا...... تب تو وہ لوگ وہاں تمہاری چیک بک ہی تلاش کرتے رہے ہوں گے۔ جس شام وہ تمہیں لے گئے تھے اسی رات کو نوشابہ نے وہاں کچھ آدمی دیکھے تھے۔''

''نوشابہ......!'' قاسم نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ ''کیا وہ مجھے یاد کرتی تھی۔''

''بے حد........ بے تحاشہ آہیں بھرتی ہے۔ اتنی کہ روحی کو کار کے دو پہیوں میں ہوا بھروانے کے لئے شہر نہیں جانا پڑتا۔''

''نہیں......!'' قاسم جھینپے ہوئے انداز میں مسکرایا۔

''وہ تو کہہ رہی تھی کہ اگر قاسم صاحب نہ ملے تو میں خودکشی کرلوں گی۔''

''ارے نہیں...... ہی ہی ہی۔''

''ہاں...... ہاں...... گھنٹوں تمہارے سوٹ کیس سے لپٹ کر روتی رہی۔''

''الاقسم...... اُس کے بغیر میں بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔''

''پھر یہاں سے نکل چلنے کی کوشش کرو۔ ورنہ کیا فائدہ کہ وہ بیچاری مایوس ہو کر خودکشی کرلے۔''

''تم ہی بتاؤ کیسے نکل چلوں۔ مجھے تدبیر بتاؤ جو کچھ کہو گے وہی کروں گا۔ مگر یہاں کی یلا یلیاں، حمید بھائی کیا بتاؤں...... تم خود دیکھ لو گے۔''

''مگر وہ تمہیں بیوقوف بنا کر لمبی لمبی رقمیں اینٹھ رہی تھیں۔ نوشابہ محبت کرتی ہے۔''

''ہائے...... وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔'' قاسم رو دینے والی آواز میں بولا۔

''وہ لڑکیاں کس وقت آتی ہیں۔''

''کھانے کے وقت۔''

''دیکھوں مجھے بھی کھانا ملتا ہے یا نہیں۔''

''اگر تمہاری چیک بک بھی ان کے پاس ہوئی تو ضرور ملے گا۔''

اچانک حمید نے عجیب قسم کی گھڑ گھڑاہٹ سنی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کمرے کے فرش کے نیچے سے آ رہی ہو۔ پھر یک بیک فرش اسی طرح ہلنے لگا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔

فریدی غار میں اتر گیا۔ اب وہ اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن رہا تھا لیکن حملہ آوروں نے اب بھی ٹارچ روشن کرنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ فریدی چونکہ ایک بار راستہ دیکھ چکا تھا اس لئے اندھیرے ہی میں بہ آسانی نیچے اترتا چلا گیا۔ لیکن چھپنے کے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش ٹارچ روشن کئے بغیر ناممکن تھی۔

بڑی ٹارچ اس نے جیب میں ڈال لی اور وقت ضرورت کے لئے چھوٹی ٹارچ ہاتھ میں رکھی۔ اسے اطمینان تھا کہ وہ غیر مسلح نہیں ہے۔ رائفل اس کے شانے سے لٹک رہی تھی اور داہنے ہاتھ میں ریوالور۔ دونوں ہی کے کافی راؤنڈ اس کے پاس موجود تھے۔ وہ خاموشی سے نیچے اترتا رہا...... اوپر سے قدموں کی آوازیں آنی بند ہو گئی تھیں۔ شائد وہ لوگ چٹان کے سرے پر رک کر حالات کا اندازہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

فریدی جلد از جلد ایک ایسی جگہ تلاش کر لینا چاہتا تھا جہاں وہ کچھ دیر کے لئے چھپ سکے لیکن ......اچانک اس پر ایک تیز قسم کی روشنی پڑی۔ اگر وہ بندر کی سی پھرتی سے کود کر ایک طرف نہ ہو جاتا تو اس کے جسم میں یک وقت ایک درجن گولیاں در آئی ہوتیں۔

وہ پھر ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ دفعتاً اس کے ہاتھ ایک چھوٹے سے غار کے دہانے سے جا لگے۔ ساتھ ہی سامنے پھر روشنی دکھائی دی۔ لیکن اب وہ روشنی کی زد سے باہر تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی سی ٹارچ کی روشنی غار میں ڈالی لیکن وہ تجربہ مایوس کن اور ڈراؤنا ثابت ہوا۔ غار میں ایک سیاہ سانپ کی مادہ انڈوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ پھن کاڑھ کر پھپھکارتی ہوئی ٹارچ کی روشنی کی طرف جھپٹی۔

انڈوں پر بیٹھی ہوئی مادہ اگر چھیڑ دی جائے تو انتہائی خطرناک ہوجاتی ہے اس وقت تک چھیڑنے والے کا پیچھا نہیں چھوڑتی جب تک کہ ڈس نہ لے۔ اوپر سے پھر شائد رائفلوں کی باڑھ ماری گئی۔ فریدی کے تیزی سے سوچتے ہوئے ذہن نے ایک فوری فیصلہ کیا وہ یہ کہ اس بگڑی ہوئی مادہ کو ٹھکانے لگادیا جائے ورنہ اندھیرے میں اس سے بچنا ناممکن ہوگا۔ گولیوں کی باڑھ سے بچنا اتنا مشکل نہیں ہوسکتا تھا جتنا کہ اس سانپ سے خود کو بچانا۔ فریدی نے اپنی ٹارچ روشن رکھی اور پھر جیسے ہی سانپ کا پھن دوسری بار دکھائی دیا اس نے فائر کردیا۔ اس فائر کے جواب میں اوپر سے باڑھ ماری گئی اور کئی ٹارچوں کی روشنیاں غار میں چکرانے لگیں۔

سانپ اندر پتھروں پر سر پٹخ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ٹھنڈا ہوگیا اور ساتھ ہی فریدی نے اس غار میں اترنے کا ارادہ بھی ترک کردیا۔ ہوسکتا تھا کہ اس میں اور بھی سانپ رہے ہوں۔ آدمیوں سے بچنے کے لئے سانپوں کا شکار ہوجانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

وہ پتھروں سے لگتا ہوا مخالف سمت میں چلنے لگا۔ اب اُسے اطمینان تھا کہ وہ لوگ نیچے اترے بغیر اسے نہ پاسکیں گے لہٰذا انہیں اوپر ہی روکے رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً ہوائی فائر کرتا رہے۔

فائروں کے جواب میں فائر ہوتے رہے لیکن اب اندھیرے میں چلتے رہنا قریب قریب ناممکن ہوچکا تھا۔ فریدی نے سوچا ممکن ہے کہ وہ کسی غار میں جاگرے۔ اس نے چھوٹی ٹارچ روشن کرلی جس کی روشنی ایک محدود دائرے میں پھیلتی تھی۔

یہاں پھر اترائی شروع ہوگئی تھی اس لئے ضروری تھا کہ ٹارچ برابر روشن رہے۔ دوسری طرف یہ خیال بھی تھا کہ اگر ان لوگوں نے آلیا تو یہاں بچاؤ بھی نہیں ہوسکے گا۔ کیونکہ اترائی ناہموار تھی۔

یہاں گھٹن کا احساس بھی بڑھتا جارہا تھا۔ ہوا کے جھونکے مفقود ہوچکے تھے۔ جنہوں نے اُسے ابھی تک سنبھالے رکھا تھا۔

اب وہ فائر نہیں کررہا تھا۔ حملہ آور بھی خاموش تھے۔ مصلحت اسی میں تھی کہ اب وہ فائر نہ کرے۔ ورنہ حملہ آور فرار کی سمت معلوم کرلیتے اور یہ ایک ایسا واقعہ ہوتا جس پر فریدی کو مرنے کے بعد بھی افسوس کرنا پڑتا۔

وہ چھوٹی ٹارچ کی مدھم روشنی میں آگے بڑھتا رہا۔

وہ بڑی دیر سے ایک عجیب قسم کا شور سن رہا تھا۔ جواب آہستہ آہستہ تیز ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس کی حقیقت اس پر واضح ہوگئی۔ وہ پانی بہنے کا شور تھا۔ یہاں شائد کوئی تیز رو نالا تھا۔ پھر وہ اس شور سے قریب ہوتا گیا حتیٰ کہ اسے اپنے چہرے پر پانی کی ہلکی سی پھواریں محسوس ہونے لگیں۔

اب اس نے بڑی ٹارچ روشن کی اور ایسا معلوم ہوا جیسے اس لامتناہی اندھیرے میں روشنی کا طوفان آ گیا ہو۔ اس نے فوراً ہی ٹارچ بجھادی۔ نالا اس سے تقریباً پانچ یا چھ فٹ کے فاصلے پر رہا ہوگا جس کے درمیان ایک بڑی سی ابھری ہوئی چٹان تھی اور تیز رفتار پانی اسی سے ٹکرا کر پھواروں کی شکل میں ادھر اُدھر منتشر ہو رہا تھا۔

اچانک پھر فائر ہوئے۔ فریدی بڑی پھرتی سے نیچے گر گیا۔ کیونکہ فائروں کا رخ اسی طرف تھا مگر وہ غلط جگہ گرا تھا۔ جس چٹان پر اس نے چھلانگ لگائی تھی وہ شائد اپنی جگہ چھوڑ چکی تھی۔ اس کا بوجھ نہ سنبھال سکی اور فریدی چٹان سمیت نالے میں جا پڑا

نالا انتہائی تیز رفتار تھا۔ فریدی کو پیر جمانے کی بھی مہلت نہ ملی۔ ویسے وہ زیادہ گہرا نہیں تھا۔ مگر بہاؤ خدا کی پناہ۔ وہ ایک حقیر سے تنکے کی طرح بہتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن ابھی اس کے اوسان خطا نہیں ہوئے تھے۔ دفعتاً اس پر ٹارچوں کی روشنیاں پڑیں اور پھر باڑھ ماری گئی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے بائیں بازو میں کوئی دہکتا ہوا انگارہ گھس گیا ہو اور پھر یک بیک اس کا ذہن اتھاہ تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

ہزاروں سال پہلے

کمرے کا فرش پہلے تو ہلتا رہا پھر حمید نے محسوس کیا جیسے وہ نیچے دھنس رہا ہو۔ اس نے بھاگ کر اس کمرے میں جانا چاہا جس کے دروازے سے نکل کر یہاں آیا تھا لیکن جب تک وہ دروازے تک پہنچا دروازہ اس سے گزوں اونچا ہوگیا۔ فرش بڑی تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔ حمید بے بس ہو کر

بیٹھ گیا۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی روح کھوپڑی توڑ کر کسی انجن کے دھوئیں کی طرح جسم سے آہستہ آہستہ خارج ہوئی جا رہی ہو اور پھر جب وہ فرش پر رکا تو اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے روح کے ساتھ ہی ساتھ جسم ہزاروں فٹ اونچا اچھل گیا ہو۔

کئی منٹ تک تو گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا رہا۔ یہ سفر ہی ایسا تھا۔ عام طور پر ''لمبے'' یا ''مختصر'' سفر ہوا کرتے ہیں مگر حمید نے سینکڑوں فٹ گہرا سفر کیا تھا اس لئے اب وہ سوچ رہا تھا کہ آئن اسٹائن کا نظریہ اضافیت بنڈل ہے۔ کیونکہ اسی نے پانچویں بُعد کا پتہ لگا لیا تھا...... اور یہ بُعد تھا دراصل معدے اور کھوپڑی کا درمیانی فاصلہ...... تقریباً پانچ فٹ بعد اس نے سر اٹھایا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سامنے قدیم مصری طرز تعمیر کی ایک بلند و بالا محراب تھی اور اس کے آگے ایک طویل وعریض ہال تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسے وہ ہالی وڈ کی ان فلموں میں بار بار دیکھ چکا تھا جو قدیم مصر کی کہانیاں پیش کرتی تھیں۔ فراعنہ مصر کا شاہی دربار...... سامنے ڈیڑھ درجن سیڑھیوں کے اوپر تخت شاہی تھا اور نچلی سیڑھی اپنے پھیلاؤ کی بناء پر ایک طویل وعُریض پلیٹ فارم معلوم ہوتی تھی۔ تخت شاہی خالی تھا لیکن دربار آدمیوں سے بھرا تھا۔ یہ سب قدیم مصریوں کے سے لباس میں تھے۔ ٹخنوں تک پہنچنے والی رنگین قبائیں جن پر دیوتاؤں کی تصویریں نظر آ رہی تھیں۔ تین طرف فوجیوں کی قطاریں دیواروں سے لگی کھڑی تھیں۔ ان کے لباس بھی قدیم مصری فوجیوں کے سے تھے۔ حتیٰ کہ اسلحے بھی اسی دور کی یاد دلاتے تھے چوڑے اور چھوٹے تیغے ترکش اور کمانیں۔ سروں سے اونچے نیزے اور زمین سے کمر کے اوپر تک پہنچنے والی مستطیل ڈھالیں۔ بڑے بڑے بخور دانوں میں خوشبوئیں سلگ رہی تھیں۔ دفعتاً ایک عجیب قسم کے شور سے سارا ہال گونجنے لگا اور حاضرین بالکل رکوع کے سے انداز میں جھک گئے۔ ان کے سر تخت شاہی کی طرف تھے لیکن حمید کو اس تخت پر کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ شور کی آواز ختم ہوئی اور پھر نوبت اور نقاروں کی آوازیں آنے لگیں جن میں صدہا بوق و قرنا کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا جلوس گزر رہا ہو۔ لیکن جلوس کا کہیں پتہ نہیں تھا...... اور حاضرین...... وہ تو اب بھی پہلے ہی کی طرح جھکے کھڑے تھے۔

حمید نے جھرجھری سی لی وہ بہت شدت سے مرعوب ہو گیا تھا اور یہ شور...... یہ تو اسے اپنے ہر بُن مُو سے نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر اچانک موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی اور حاضرین سیدھے کھڑے ہو گئے۔ پھر ایک ہونق سا آدمی اسٹیج نما سیڑھی پر نمودار ہوا اس کے جسم پر سرخ رنگ کا

لبادہ تھا گلے میں بے شمار ہار پڑے ہوئے تھے۔ پھولوں کے نہیں رنگ رنگ کے جواہرات کے جن سے کرنیں سی پھوٹتی معلوم ہو رہی تھیں۔

تخت شاہی اب بھی خالی پڑا تھا۔ لیکن وہ آدمی تخت شاہی کی طرف رخ کر کے خفیف سا جھکا اور پھر حاضرین کی طرف سر گھماتا ہوا گرجدار آواز میں بولا۔

''میں اپنے اور تمام درباریوں کی جانب سے اپنی حکمرانی کی ہزارویں سالگرہ پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔'' پھر تخت شاہی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''ملکہ علیاء ہماری حقیر نذریں قبول فرمائیں۔''

''ہماری طرف سے اجازت ہے۔'' خالی تخت سے ایک انتہائی سریلی اور نسوانی قسم کی آواز آئی اور حمید کی عقل کھوپڑی سے نکل کر ہوا میں ناچنے لگی۔ نذریں گذرنے لگیں اور وہ ہونق سا آدمی جو شائد وزیراعظم کا رول ادا کر رہا تھا ہر پیش کئے جانے والے خوان پر ہاتھ رکھ کر کہتا۔ ''ملکہ کائنات کی خدمت میں۔''

تقریباً بیس منٹ تک نذریں گذرتی رہیں۔ پھر یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور تخت شاہی سے آواز آئی۔

''ارے میرے پرستارو...... میں تمہیں ارتقاء کی اس کڑی پر مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ تم اس لئے قابل مبارک باد ہو کہ ارتقا کا صحیح مفہوم سمجھتے ہو۔ تمہارے جسموں پر ہزاروں سال پرانا لباس ہے لیکن زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے تمہارے پاس جدید ترین وسائل ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے تخریب ضروری ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ آج کا آدمی ہزاروں سال پرانے آدمی سے ذرہ برابر بھی مختلف نہیں ہے۔ وہ آج بھی اتنا ہی خونخوار ہے جتنا ہزاروں سال پہلے تھا۔ البتہ آگے بڑھنے کے لئے اس کا طریق کار بدل گیا ہے۔ میں تمہیں اس لئے مبارک باد دیتی ہوں کہ تم سچے ہو۔ انسانیت کا ڈھول نہیں پیٹتے۔ عظیم الشان دفتروں میں بیٹھ کر قلم سے لوگوں کی گردنیں نہیں کاٹتے بلکہ خس و خاشاک کو فنا کر کے صرف اُن درختوں کو پنپنے کا موقع دیتے ہو جن میں تناور بننے کی صلاحیت ہو۔ تم اپنے سیاسی جوڑ توڑ سے قوموں کا بیڑہ غرق کر کے انسانیت کی اقدار پر تقریریں نہیں کرتے۔ تم جسے فنا کرنا چاہتے ہو علانیہ فنا کر دیتے ہو اور اُسے درست سمجھتے ہو۔ میں تمہیں اس لئے مبارک باد دیتی ہوں کہ تم طاقت کے پرستار ہو۔ اب لاؤ نئے سال کی تحقیقی نذر...... میں بذات خود اُسے قبول کروں۔''

وزیر اعظم تخت کے سامنے جھک کر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔'' ملکہ کائنات ہمارا نیا حربہ زیرہ تھری۔''

''یعنی تین صفر......!'' تخت شاہی سے آواز آئی۔

''ملکہ کائنات......!'' وزیر اعظم جھک کر بولا۔

''اچھا مظاہرہ کیا جائے۔''

وزیر اعظم نے تالی بجائی۔ ایک طرف کا رنگین پردہ سرکا اور تین آدمی ایک ٹرالی دھکیلتے ہوئے دربار میں لائے۔ ٹرالی پر ایک عجیب وضع کی مشین رکھی ہوئی تھی جس میں تاروں کے تانے بانے سے تھے۔ ٹرالی دربار کے وسط میں رک گئی۔ اس کے ساتھ ایک معمر آدمی بھی تھا لیکن اس کا لباس درباریوں کا سا نہیں تھا۔ یہ ایک میلی سی پتلون اور خاکی قمیض میں ملبوس تھا۔ سر اور ڈاڑھی کے بال بے ترتیب اور الجھے ہوئے تھے۔

''ملکہ کائنات کی اجازت سے۔'' وزیر اعظم نے ہاتھ اٹھا کر گونجیلی آواز میں کہا۔

ساتھ ہی وہ بوڑھا اس مشین پر جھک پڑا۔

ادھر حمید اس ماحول میں کچھ اس طرح کھو گیا تھا جیسے کوئی بہت ہی دلچسپ فلم دیکھ رہا ہو۔ فلم سے زیادہ سب کچھ اسے خواب معلوم ہو رہا تھا۔ اچانک اس نے محسوس کیا جیسے کوئی غیر مرئی قوت اُسے اس کی جگہ سے اٹھانے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر دفعتاً وہ فرش سے تقریباً پانچ فٹ بلند ہو گیا اور اسی حالت میں جیسے بیٹھا ہوا تھا۔ اب اس نے لاکھ کوشش کی کہ وہ اپنے پیر پھیلا کر فرش پر جما دے مگر ممکن نہ ہوا۔ اس کے پیر پھیل ہی نہ سکے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ رہ گئی ہو۔ اس کے کانوں میں سیٹیاں سی گونج رہی تھیں اور وہ فضا میں معلق تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ خلاء میں تیرتا ہوا تخت شاہی کی جانب چلا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک حقیر سا تنکا ہوا کے تیز و تند بہاؤ سے چکراتا پھر رہا ہو۔

پھر اچانک وہ وزیر کے پیروں کے پاس دھم سے جا گرا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے پیٹھ کی ہڈیاں چور ہو گئی ہوں۔

''بہت خوب ہے۔'' تخت شاہی سے آواز آئی۔ ''میرا خیال ہے کہ یہ تجربہ ابھی اپنے ابتدائی دور میں ہے۔''

''درست ہے ملکہ کائنات۔'' وزیر اعظم نے ادب سے جواب دیا۔''بڑے پیانے پر اس کی شکل دوسری ہوگی۔''

''اچھا اور کوئی خاص بات۔'' تخت شاہی سے آواز آئی۔

''اور کوئی ایسی اہم بات نہیں جس کے لئے علیاء حضرت کا وقت برباد کیا جائے۔'' وزیر اعظم نے قریب قریب زمین بوس ہوکر جواب دیا۔

''دربار برخواست......!'' تخت شاہی سے آواز آئی۔ پھر ملبوسات کی سرسراہٹ سنائی دی۔ جیسے کوئی تخت سے اٹھا ہو اور اس کے بعد وہی باجوں گاجوں کا شور۔ حاضرین دربار پھر احتراماً جھک گئے اور اس وقت تک جھکے رہے جب تک کہ جلوس کا شور ختم نہیں ہوگیا۔

حمید ایک بار پھر فضا میں معلق ہوا اور پہلے ہی کی طرح خلاء میں تیرتا ہوا محراب سے گذر کر سنگی فرش پر جا گرا۔ اس بار اس کا سر دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ نتیجے کے طور پر پہلے تو بصارت غبار آلود ہوگئی پھر یہ غبار گہرا ہوتے ہوتے اندھیرے میں تبدیل ہوگیا۔

بعض لوگ بڑے سخت جان ہوتے ہیں۔ مگر یہ انہیں آدمیوں کے لئے کہا جاسکتا ہے جو ناپسندیدگی سے دیکھے جاتے ہوں۔ اچھے آدمی ایسے معاملات میں قسمت کے دھنی کہلاتے ہیں۔ کم از کم فریدی کے متعلق تو یہی کہا جاسکتا ہے۔ وہ ایک نہیں سینکڑوں بار ایسے ایسے خطرات سے بچ نکلا تھا کہ اسے زندہ دیکھ کر اس سے تعلق رکھنے والے ہفتوں کیا مہینوں اسے فریدی کا بھوت سمجھتے رہے تھے۔

مگر اس بار جو واقعہ پیش آیا تھا اس نے خود فریدی ہی کو مجبور کر دیا کہ ہوش میں آنے کے بعد خود کو کافی دیر تک بھوت سمجھتا رہے۔ ایک طرف تو نالے کی طوفانی بہاؤ نے اس کے پیر اکھاڑ دیئے تھے اور دوسری طرف گولیوں کی بوچھاڑ۔ جب اس نے اپنے بائیں بازو میں گھستے ہوئے انگارے کی جلن محسوس کی تو اسے یقین ہوگیا کہ یہ تکلیف کا آخری احساس ہے۔

ہوش آنے پر اُسے بہت دیر تک یہی نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ اسی نالے میں بہہ رہا ہے یا ہوا

میں تیر رہا ہے۔ کچھ دیر بعد اسے ابر آلود آسمان نظر آیا اور خنکی کا احساس بھی ہوا۔ چاروں طرف اونچے پہاڑ تھے جن کی چوٹیاں بادلوں سے ٹکراتی معلوم ہو رہی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ چت پڑا فضا میں تیرتا رہا پھر یہ سوچ کر شائد اس کی روح عالم ارواح میں بھٹکتی پھر رہی ہے اس نے اپنے بائیں بازو میں چٹکی لی لیکن پھر اُسے محسوس ہوا کہ بازو تو پہلے ہی سے دکھ رہا تھا۔

وہ ابر آلود نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں نظر دوڑاتا ہوا تیرتا رہا۔ اُسے اپنا جسم بہت ہلکا معلوم ہو رہا تھا۔ ہوا سائیں سائیں کرتی اس کے جسم سے ٹکراتی ہوئی گذرتی رہی۔ اسے فرشتوں کے پروں کے سائے نظر آرہے تھے۔ عجیب سی خوشبوئیں اسے اپنے گرد و پیش محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کا ذہن عظمت رب السموات کے گیت گانے لگا۔ مگر کیا اس کی روح حقیقتاً عالم ارواح میں پرواز کر رہی تھی۔ وہ جسم و روح کے تعلق کے بارے میں سوچنے لگا اگر وہ عالم ارواح میں پرواز کر رہی تھی تو بائیں بازو کی تکلیف کیسی۔ احساس تو دراصل جسم و روح کے ربط ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ روح نے جسم کو چھوڑا اور تکلیف کا احساس بھی فنا ہو گیا۔

اس کا ذہن آہستہ آہستہ صاف ہوتا جا رہا تھا۔ اب وہ ہوا کی سائیں سائیں کے ساتھ ہی ساتھ دوسری آوازیں بھی سننے لگا تھا۔ یہ بھاری قدموں کی آوازیں تھیں۔ لاتعداد قدموں کی آوازیں۔

اب یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ وہ ایک اسٹریچر پر پڑا ہے اور کچھ لوگ اسے اٹھائے ہوئے چل رہے ہیں۔

آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے تیر رہے تھے۔ مگر یہ پانی سے خالی تھے۔ سفید بادل کچھ بھی ہو وہ دھوپ کی شدت سے تو بچا ہی سکتے تھے۔ ان کی چھاؤں بڑی خوشگوار تھی۔ فریدی بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اب وہ دراصل اپنی رہی سہی قوت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ وہ حملہ آوروں ہی کے ہاتھوں میں پڑ گیا ہو۔ لہٰذا ایسی صورت میں اسے دوبارہ کٹ مرنا پڑتا۔ وہ کسی چوہے کے بچے کی طرح بے بس ہو جانا کبھی پسند نہ کرتا۔ اس نے ریوالور کے لئے اپنی جیبیں ٹٹولیں۔ لیکن اب وہاں جیبیں کہاں تھیں۔ بہرحال کافی غور کرنے پر اُسے معلوم ہوا کہ وہ اوپر سے نیچے تک ایک اونی لبادے میں ملبوس ہے۔ بس یہیں سے اس کا منطقی شعور جاگ اٹھا۔ اگر وہ حملہ آور ہی ہوتے تو بھیگے ہوئے کپڑے اتار کر خشک لبادہ کیوں پہناتے۔ اسے وہیں ختم کر دیتے۔ اسٹریچر پر لاد کر کہیں

لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن پھر خیال آیا ممکن ہے حمید بچ نکلا ہو اور وہ آسانی سے دوبارہ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لئے اسے زندہ ہی رکھنا چاہتے ہوں...... فریدی مطمئن ہو گیا۔ دونوں ہی صورتیں اس کے لئے اطمینان بخش تھیں۔

وہ چپ چاپ آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ پھر شائد سفر ختم ہونے میں ایک گھنٹے کا عرصہ لگا۔ اسٹریچر ایک جگہ اتار کر زمین پر رکھ دیا گیا۔ فریدی نے آنکھیں بند رکھیں۔ البتہ ایک بار پلکوں میں خفیف سا درہ کر کے گرد و پیش کا جائزہ لینے کی کوشش ضرور کی۔

وہ ایک خیمے میں تھا اس کے قریب ہی دو تین آدمی سرگوشیاں کر رہے تھے لیکن فریدی کچھ سن نہ سکا۔

پھر اسے ایک عورت کی آواز بھی سنائی دی۔ وہ کچھ اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ اس کی آواز میں ایسی کھنک تھی جس کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ وہ کافی سیکس اپیل رکھتی تھی۔ فریدی کی بجائے اگر حمید ہوتا تو یہی رائے قائم کرتا۔

فریدی نے اس کی آواز سنی اور گفتگو بھی سمجھنے کی کوشش کی زبان میں اجنبیت محسوس ہوتی تھی لیکن پھر کچھ دیر بعد الفاظ کی اجنبیت رخصت ہوگئی۔ ویسے فریدی سوچ رہا تھا بُرے پھنسے...... وہ اس وقت شائد آزاد علاقہ وادی کراغال میں تھا جس کی سرحدیں رام گڈھ سے ملتی تھیں۔ اس وادی کے باشندے اپنے علاقے میں اجنبیوں کا وجود نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ فریدی سوچنے لگا یہاں تو وہی مثل صادق آئی ہے کہ دیو سے بچے تو سمندر میں ڈوبے۔

اس نے سوچا کہ اب اٹھ ہی جانا چاہئے۔ وہ تھوڑی بہت کراغالی جانتا تھا۔ دوسروں کی باتیں سمجھ کر اپنا مافی الضمیر واضح کر سکتا تھا۔ اس نے کراہ کر کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول دیں۔

وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ فریدی نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھا اور اٹھ بیٹھا۔

''لیٹے رہو لیٹے رہو۔'' عورت نے جلدی سے کہا۔

''ایک معزز خاتون کی موجودگی میں لیٹے رہنا بدتمیزی ہے۔'' فریدی نے کراغالی میں جواب دیا۔

ایک بوڑھے اور قوی الجثہ آدمی نے معنی خیز نظروں سے عورت کی طرف دیکھا۔

عورت خوش شکل جوان اور غیر معمولی طور پر قوی ہیکل تھی اور اس کی آنکھوں سے نسوانی صنف

کی بجائے مردانہ پن جھانک رہا تھا۔

''تم زخمی ہو اجنبی......!'' عورت نے نرم لہجے میں کہا۔ ''تمہارے بازو سے رائفل کی گولی نکالی گئی ہے۔ ہڈی محفوظ ہے۔ اطمینان رکھو...... لیٹ جاؤ۔''

''میں آپ کی ہمدردی کا شکر گذار ہوں مگر مجھے حیرت ہے کہ میں زندہ کیسے بچا۔''

''کیا تم نے خانم کا حکم نہیں سنا'' بوڑھا غرایا۔ ''لیٹ جاؤ۔''

''میں ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔'' فریدی نے کہا اور لیٹ گیا۔

''تم کیسے زخمی ہوئے تھے۔'' عورت نے پوچھا۔

''مجھے درجنوں آدمیوں نے گھیر لیا تھا۔ میں تنہا تھا۔ زخمی ہو کر ایک پہاڑی نالے میں جا گرا۔ مجھے حیرت ہے کہ میں کراغال تک زندہ کیسے پہنچ گیا۔''

''اللہ کی حکمت......!'' عورت آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔ ''تم ندی کے کنارے ایک چٹان پر پڑے ہوئے تھے۔ مگر تم لڑے کہاں تھے۔''

''رام گڈھ میں۔''

''اوہو...... تم ادھر کے ہو۔''

''ہاں محترمہ......!''

''مگر ادھر کا قانون تو اس قسم کی لڑائی بھڑائی کی اجازت نہیں دیتا۔''

''قانون توڑنے والے ہر جگہ ہوتے ہیں محترمہ۔ کیا آپ کراغال کی خانم ہیں۔''

''ہاں...... میں خانم ہوں۔ مگر شاید تم کراغال کے متعلق بہت کچھ جانتے ہو۔ کراغالی بھی بول سکتے ہو۔''

''ہاں محترمہ...... میں دنیا کی بہتیری زبانیں بول اور سمجھ سکتا ہوں۔''

بوڑھے نے پھر اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور عورت بولی۔ ''غالباً تم اجنبیوں کے سلسلے میں کراغال کے دستور سے واقف بھی ہو گے۔''

''ہاں محترمہ...... میں جانتا ہوں کہ یہاں اجنبی نہیں آنے پاتے۔ اگر آ گئے تو ختم کر دیئے جاتے ہیں یا پھر ان کی واپسی ناممکن ہوتی ہے۔ مگر محترمہ آپ جانتی ہیں کہ میں کن حالات میں یہاں تک پہنچا۔''

''خیر یہ قصہ فی الحال یہیں رہنے دو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

''میں ایک بار پھر فراخ دل خانم کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ یہاں میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ ہوگا۔''

''کیوں......!'' خانم بے ساختہ چونک پڑی۔

''کچھ نہیں ...... میں جانتا ہوں کہ کراغالی...... مہمان نواز......شریف......اور عالی ہمت ہوتے ہیں۔''

ایک پاگل دوسرا قیدی

پتہ نہیں کتنی دیر بعد حمید کو ہوش آیا۔ وہ اب اسی کمرے میں تھا جس سے اس کا گہرائی والا سفر شروع ہوا تھا۔ اگر اس کی پیٹھ کی ہڈیوں کی چوٹ دکھ نہ رہی ہوتی تو وہ یہی سمجھتا کہ اس نے خواب دیکھا ہوگا۔ مگر ایسی صورت میں......؟

وہ کافی دیر تک گم سم فرش پر پڑا رہا۔ سر کی چوٹ بھی دکھ رہی تھی اس نے سر پر ہاتھ پھیرا مگر اسے کسی قسم کی ٹوٹ پھوٹ کا احساس نہیں ہوا۔ کھوپڑی کی ہڈیاں محفوظ تھیں۔ اگر محفوظ نہ ہوتیں تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔ وہ اسی طرح گم سم پڑا رہتا۔ بات یہ تھی کہ اس دربار اور اس عجیب وغریب مشین زیرو تھری نے اس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ ایسے مجرم جن کے یہ ٹھاٹ ہوں اُسے آج تک خواب میں بھی دکھائی نہیں دیئے تھے اور پھر وہ پراسرار ملکہ جس کی صرف آواز سنی جاسکتی ہے اس کا شاہانہ جلوس جو نظروں سے یکسر غائب رہا تھا۔ تخت شاہی خالی پڑا تھا مگر اسی تخت سے ملکہ کی آواز اٹھ کر ہال میں منتشر ہو رہی تھی۔ کیا وہ بھوتوں کا دربار تھا؟ لیکن یہی لوگ قاسم سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھ رہے تھے اور شائد روحی پر حملوں کے ذمہ دار بھی یہی تھے۔ پھر اُسے دلکشا ہوٹل والا واقعہ یاد آ گیا۔ قاسم نے اُسے اپنے کمرے کی کھڑکی کے غائب ہو جانے کے متعلق بتایا تھا۔ ممکن ہے اس کا بیان

درست ہی رہا ہو۔ جب کسی کمرے کا فرش سینکڑوں فٹ نیچے جاسکتا ہے تو اس کی کھڑکی کا غائب ہو جانا ناممکنات میں سے نہیں ہوسکتا۔

اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ ایک اہم سوال تھا اور شائد اسی پر اس کی زندگی کا انحصار بھی تھا۔ وہ بڑے عجیب لوگوں میں آ پھنسا تھا۔ اُسے کوئلے کا مجسمہ بھی یاد آیا جو اس نے فریدی کے ساتھ ایک عمارت میں دیکھا تھا۔ جو لوگ زیروتھری جیسی مشینیں بنا سکتے ہیں ان کے لئے کچھ ناممکن نہیں۔ مگر کیا اس کی حکومت انہیں شکست دے سکے گی۔ فریدی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس عجیب وغریب تنظیم کے سامنے اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ فریدی بھی گوشت پوست ہی سے بنا ہے۔

اسے بھی زیروتھری جیسی مشینیں کسی حقیر سے تنکے کی طرح فضا میں نچا سکتی ہیں۔

حمید کی کنپٹیاں تڑخنے لگیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کیا اسے اس دربار کی سیر اسی لئے کرائی گئی تھی کہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جائے۔ یقیناً...... یہی بات ہوسکتی ہے ورنہ دوسری صورت میں قاسم کو بھی ان عجائبات کے درشن کرائے جاتے۔ حمید کو یقین تھا کہ قاسم کو اس قسم کے کسی بھی واقعے سے دوچار نہ ہونا پڑا ہوگا ورنہ وہ تذکرہ ضرور کرتا۔ اُسے تو صرف چند لڑکیوں کے چکر میں الجھا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کی جارہی تھیں۔

اس نے ان سب خیالات کو پرے جھٹک کر پھر اپنے آئندہ طرز عمل کے متعلق سوچنا شروع کر دیا۔ اس کی جگہ اور کوئی ہوتا تو یہ سب کچھ دیکھ کر پاگل ہو گیا ہوتا۔ پاگل کر دینے والی بات ہی تھی۔

''پاگل......!'' حمید کے ذہن نے تین چار بار دہرایا۔ بس پاگل ہو جانا ہی زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ بہترین تدبیر۔ کیونکہ اس پاگل پن کا جواز بھی موجود تھا۔ پراسرار دربار کی سیر؟ ایک نظر نہ آنے والی عورت کی آوازیں اور پھر اس کا ہوا میں اڑ کر تخت کے نیچے جا گرنا۔ کیا یہ سب کچھ پاگل کر دینے کیلئے کافی نہیں تھا۔ یقیناً کافی سے بھی زیادہ تھا۔ اس صورت میں وہ ان کے سوالات کا صحیح جواب دینے پر بھی مجبور نہ ہوگا۔

پھر وہ پاگل پنے کی باتیں سوچنے لگا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار وہ پاگل بن چکا تھا اور اس نے ہفتوں اتنی شاندار ایکٹنگ کی تھی کہ پاگل خانے کے ڈاکٹر بھی چکر میں پڑ گئے تھے۔[1]

ایک بات اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس وقت دن تھا یا رات۔ ان کمروں میں چھت کے قریب دیواروں سے روشنی پھوٹتی تھی اور یہ روشنی یقیناً مصنوعی تھی۔ سورج سے اس کا کوئی

---

[1] اس داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا خاص نمبر ''لاشوں کا آبشار'' جلد نمبر 9 ملاحظہ فرمائیے۔

تعلق نہیں تھا۔ ورنہ اس میں ہلکی سی نیلاہٹ کیوں ہوتی۔

پہلی بار ہوش آنے سے اب تک وہ ایسی ہی روشنی دیکھتا رہا تھا اس کی گھڑی تو پہلے ہی بیکار ہو چکی تھی۔

بھوک کے مارے اس کا دم نکل رہا تھا۔ لیکن وہ کہاں جاتا۔ کسے پکارتا۔ پھر اسے قاسم کا خیال آیا وہ اٹھا اور دروازے کے قریب گیا جہاں سے وہ قاسم کے کمرے کا جائزہ لے سکتا تھا۔ یہاں اس نے قاسم کو دیکھا جو ایک لمبے چوڑے دستر خوان پر تنہا پریڈ کر رہا تھا۔ بکرے کی مسلم ران، مرغ مسلم، بڑی بڑی رقابوں میں شوربہ اور روٹیوں کا ایک بہت بڑا ڈھیر۔

"قاسم......!" حمید نے اُسے آواز دی۔

"اوہا......اغے......غمید......بھاغی......!" وہ بھاڑ سا منہ پھاڑتا ہوا بولا' جس میں ایک بہت بڑا لقمہ تھا۔ "آؤ......آؤ......!"

"اچھا......اچھا......!" قاسم نے کچھ روٹیاں اٹھائیں ان پر کچھ بوٹیاں رکھیں اور اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا لیکن اچانک نہ جانے کس روشندان سے بندر نے اس پر چھلانگ لگائی اور وہ سب کچھ فرش پر آ رہا۔ قاسم گالیاں بکتا ہوا اس کی طرف دوڑا۔ لیکن وہ پھر ایک روشندان پر جا چڑھا تھا اور کھڑے ہو کر پھر وہی "چھنک چھنک" شروع کر دی اس واقعے پر حمید سچ مچ پاگل ہو گیا۔ وہ بھی اس بندر کو اس انداز میں گالیاں دینے لگا جیسے اس سے ان کے جواب کی توقع رکھتا ہو اور پھر جواب ملتے ہی باقاعدہ طور پر لڑ پڑے گا۔

پھر قاسم اور حمید دونوں ایک دوسرے سے پھوہڑ عورتوں کی طرح گلے شکوے کرنے لگے۔ شائد دونوں ہی پاگل ہو گئے تھے۔ بندر ایک بار پھر چپ چاپ نیچے اترا، اتنی آہستگی سے کہ گھونگھروؤں میں ہلکی سی چھنک بھی نہیں پیدا ہو سکی اور پھر اس نے دستر خوان پر رکھی ہوئی رقابیں الٹ دیں۔

"وہ دیکھو......!" حمید دہاڑا۔

جب تک قاسم وہاں پہنچتا وہ پھر جست لگا کر روشندان پر جا چڑھا اور پھر وہی ناچ شروع ہو گیا۔ "چھنک، چھنک......" حمید کو زہر لگ رہی تھی یہ آواز۔ دفعتاً قاسم نے ایک بڑی سی ہڈی اس پر کھینچ ماری جو روشندان سے گذر کر دوسری طرف چلی گئی۔ بندر بدستور ناچتا رہا۔ "چھنک چھنک۔"

اس پر قاسم نے ایک قاب پر طبع آزمائی کی اور پھر اس کا دماغ باقاعدہ طور پر الٹ گیا۔ چپاتیاں...... ہڈیاں...... پلیٹیں...... رقابیں...... روشندان سے گذر گذر کر دوسری طرف جاتی رہیں۔ مگر بندر کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ قاسم کی چشم تصور اب بھی اسے دیکھ رہی ہو۔

اچانک ایک گھڑ گھڑاہٹ سی سنائی دی اور سامنے والی دیوار میں ایک چھوٹی سی خلاء نظر آئی۔ اتنی چھوٹی کہ اس سے ایک دبلا پتلا آدمی بھی بمشکل گذر سکتا تھا۔

اس خلاء میں ایک آدمی کا چہرہ دکھائی دیا اور اس نے گرج کر قاسم سے پوچھا۔ ''یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''اسی سالے چھنک چھنک سے پوچھو کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔''

''بندر......!'' دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

''نہیں تمہارا باپ......!'' قاسم دہاڑا۔

''تم سمجھتے ہو کہ جب تک تم چیک پر دستخط نہیں کرو گے یہی ہوتا رہے گا۔'' اس آدمی نے نرم لہجے میں کہا۔

قاسم خاموش ہوگیا۔ وہ اس مسئلے پر سنجیدگی سے سوچنا چاہتا تھا۔ ابھی تک ڈیڑھ لاکھ کی رقم گنوا چکا تھا

دفعتاً حمید نے ہانک لگائی۔ ''ارے مری جان ادھر تو دیکھو۔''

''کیوں شور مچا رہے ہو۔'' وہ آدمی جھلا گیا۔

''چار بنڈل...... چار بنڈل......!'' حمید نے قہقہہ لگایا اور اس کے حلق سے بیک وقت سینکڑوں قسم کی آوازیں نکلتی معلوم ہوئیں۔ پھر اس نے مرغوں کی طرح بانگ دینی شروع کر دی۔ قاسم حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا۔

''میری جان ملکہ کائنات ککڑوں کوں...... ککڑوں کوں...... وزیر اعظم ککڑوں کوں...... زیرو تھری...... ککڑوں کوں...... قاسم بیٹا ککڑوں کوں......''

''تم خود ککڑوں کوں۔'' قاسم ہنسنے لگا۔

مگر حمید ملکہ کائنات اور وزیر اعظم کا نام لے لے کر اس طرح ''ککڑوں کوں'' کرتا رہا جیسے زندہ باد کے نعرے لگا رہا ہو۔

وادی کراغال کی خانم اپنی شکار گاہ میں تھی جس کا فاصلہ اس کے محل سے تقریباً بیس میل تھا۔ یہیں اسے فریدی ندی کے کنارے ایک چٹان پر بیہوش ملا تھا۔

اس کے خیمے سے واپس آنے کے بعد خانم نے اپنے بوڑھے مشیر کو طلب کیا اس کے سر کے بال برف کی طرح سفید تھے اور چہرے پر گھنی سفید مونچھیں تھیں۔ مگر جسم کی ساخت جوانوں کی سی تھی اور وہ اس عمر میں بھی سینہ تان کر چلتا تھا۔

''تم کیا کہتے ہو۔'' خانم نے اس سے سوال کیا۔

''آپ مالک ہیں۔ مگر میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ کوئی اجنبی محل میں قدم رکھے۔''

''مجھے وہ ایماندار آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''مگر آپ بھول رہی ہیں کہ وہ ان پہاڑوں کے ادھر رہتا ہے۔'' بوڑھے نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

خانم سوچ میں پڑ گئی اور بوڑھا بولا۔ ''ادھر کوئی ایماندار آدمی پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ کیا ہم ان لوگوں کے ہاتھوں تنگ نہیں آ گئے۔ ہمارے دشمنوں کے پاس رائفلیں کہاں سے آتی ہیں۔ دھماکے والے گولے کہاں سے آتے ہیں۔ سب وہیں سے آتے ہیں مالک۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہیں یہ آدمی ادھر کا جاسوس نہ ہو۔''

''کچھ بھی ہو۔'' خانم تھوڑی دیر بعد بولی۔ ''وہ زخمی ہے۔ اُسے اس حال میں یہاں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ پھر اگر وہ جاسوس ہی ثابت ہوا تو اسے ایک اچھا سبق دیا جائے گا تاکہ پھر کوئی ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔''

''آپ مالک ہیں...... جو اللہ کی مرضی...... وہی خانم کی مرضی۔''

''ٹھیک ہے......'' خانم نے کہا۔ ''اب ہم واپس چلیں گے۔ موسم خراب ہوگیا ہے۔ شکار کے لئے موزوں نہیں۔''

بوڑھا ادب سے جھکا اور باہر نکل گیا۔

پھر ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر کوچ کی تیاری ہوگئی۔ فریدی کے لئے پھر اسٹریچر لایا گیا۔ مگر

اب اس نے اسٹریچر پر سفر کرنے سے انکار کر دیا۔

''میں اپنے ہی جیسے آدمیوں پر بار نہیں بننا چاہتا۔''

''تم زخمی ہو۔'' خانم نے کہا۔

''مگر اتنا کمزور بھی نہیں ہوں۔''

''ہماری پاس کوئی فالتو گھوڑا نہیں ہے۔'' خانم مسکرائی۔

''پرواہ نہیں...... میں پیدل چلوں گا۔''

بوڑھا اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ خانم نے اسے کچھ اشارہ کیا۔ جواب میں بوڑھے نے ایک سوار کی طرف دیکھا اور وہ اپنے گھوڑے سے اتر پڑا اور اس کی لگام پکڑے ہوئے فریدی کے قریب لایا۔

فریدی ایک ہی جست میں گھوڑے کی پشت پر تھا مگر گھوڑا بدک گیا۔ منہ زوری کرنے لگا اور پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر سوار کو گرانے کی کوشش کی مگر اس کی پشت پر اس صدی کا سب سے زیادہ چالاک آدمی سوار تھا۔ اس نے دو ہی تین رگڑوں میں اُسے چوہا بنا دیا۔ خانم اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ آخر اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں بوڑھے سے کہا۔ ''کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ گھوڑا شریر ہے۔''

''نہیں مالک...... میں نہیں جانتا تھا۔ ویسے یہ گھوڑا شریر نہیں ہے کیوں۔'' اُس نے گھوڑے کے مالک کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔

''نہیں مالک...... یہ تو بڑا سیدھا جانور ہے۔'' گھوڑے کا مالک بولا۔

''بات یہ ہے مالک۔'' بوڑھے نے کہا۔ ''کراغال کے گھوڑے بھی اجنبیوں سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں۔''

''نہیں...... یہ غلطی پر تھا۔'' فریدی نے اپنی ایک آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب اسے یاد آ گیا ہے کہ ہم دونوں ایک ہی کارخانے میں ڈھالے گئے تھے۔''

شائد گھوڑے کے مالک کو بھی اس کے رام ہو جانے پر حیرت تھی۔ وہ بار بار اس کی طرف دیکھ کر پلکیں جھپکاتا رہا۔

پھر تیس افراد کا یہ قافلہ چل پڑا۔ پیچھے چند باربردار خچروں پر خیمے اور راوٹیاں بار تھیں۔ کچھ

لوگ پیدل بھی تھے۔

راہ میں ایک جگہ پھر فریدی کا گھوڑا شرارت پر اتر آیا۔ مگر فریدی نے اپنی رانوں سے اس کی پسلیاں اس زور سے دبائیں کہ اس کی زبان نکل پڑی۔ اس موقعہ پر اگر حمید ہوتا تو ضرور پوچھ بیٹھتا۔ ''آخر آپ خود کتنے ہارس پاور کے ہیں۔'' فریدی اس وقت بھی حمید کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کہیں حملہ آوروں نے اسے ہلاک نہ کردیا ہو۔ مگر وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ خود اس کی زندگی کسی معجزے کے تحت بچ تو گئی تھی مگر اب وہ ایسے لوگوں میں آپھنسا تھا جن سے گلو خلاصی قریب قریب ناممکن تھی۔ اگر ناممکن نہیں تو آسان بھی نہیں تھی۔ خود فریدی جیسا آدمی اس سلسلے میں کوئی یقینی بات نہیں سوچ سکتا تھا۔

خانم کا گھوڑا اس وقت اس کے گھوڑے کے برابر چل رہا تھا اور وہ بار بار اس کی طرف دیکھنے لگی تھی مگر فریدی اپنی گتھیوں میں الجھا ہوا تھا۔

''تمہارے زخم میں تکلیف ضرور ہو رہی ہوگی۔'' خانم نے کہا۔

''کوئی ایسی خاص نہیں ہے۔''

''تمہارے دیس کے لوگ آخر ہمیں غلام کیوں بنانا چاہتے ہیں۔'' خانم نے پوچھا۔

''میرے دیس کے لوگ۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ ''نہیں تو...... میں نے کبھی نہیں سنا کہ ہماری حکومت نے کبھی آزاد علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی ہو۔''

''پھر ہمارے دشمنوں کو اسلحہ کہاں سے ملتا ہے۔''

''ہماری حکومت سے انہیں کوئی مدد نہ ملتی ہوگی۔ آپ یقین کیجئے۔''

''تم کیا جانو...... حکومتوں کے راز عام آدمیوں کو نہیں معلوم ہوتے۔''

''ہاں یہ درست ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''مگر عام آدمی اپنی عقل تو استعمال کر ہی سکتے ہیں۔ اتنا تو میں بھی سوچ سکتا ہوں کہ ہماری بقا کے لئے کراغال کا وجود ضروری ہے۔''

''اسی لئے تم چاہتے ہو کہ کراغال پر تمہارا تسلط ہو جائے۔''

''ہرگز نہیں...... البتہ ہم مضبوط ترین کراغال ضرور چاہتے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی غلطی ہوگی اگر ہم کراغال کے دشمنوں کا ساتھ دیں۔ ویسے انہیں اسلحہ دوسرے ممالک سے بھی مل سکتا ہے، جو ہم دونوں کے یکساں مخالف ہیں۔''

''مگر میں نے ایسی رائفلیں کبھی نہیں دیکھیں۔ ایک محل میں پڑی ہوگی۔ میں تمہیں دکھاؤں گی۔''

پھر وہ خاموش ہوکر سوچنے لگی۔ ادھر فریدی بھی سوچ رہا تھا کہ یہ کسی نہ کسی بہانے سے اُسے قید کر لینے کی فکر میں ہے۔ اس نے گھوڑے کے سلسلے میں بوڑھے مشیر کا طنز بھی محسوس کیا تھا۔ کراغالیوں کے ہتھے چڑھ جانے کا مطلب یا تو موت تھا یا عمر قید۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح وہ ان پہاڑوں کی داستانوں کو باہر پھیلنے سے روکتے تھے۔ فریدی نے کچھ دیر بعد خانم سے پوچھا۔ ’’مگر آپ کے دشمن ہیں کون؟‘‘

’’میرا خیال ہے کہ وہ کراغالی ہی ہیں۔‘‘ خانم نے جواب دیا۔ ’’مگر ان کے پاس عجیب و غریب چیزیں ہیں۔ حیرت انگیز اسلحہ جات...... ان کے پاس ایک ایسی سیٹی ہے جس کی آواز میلوں پھیلتی ہے۔‘‘

’’کیا......؟‘‘ فریدی یک بیک چونک پڑا۔

’’ہاں ان کے ہر آدمی کے پاس ایک ایسی ہی سیٹی ہوتی ہے۔ جب وہ خطرے میں ہوتا ہے تو اسے بجاتا ہے۔ پھر نگل لیتا ہے۔‘‘

’’کیا نگل لیتا ہے۔‘‘ فریدی نے پوچھا۔

’’سیٹی...... اُسے نگلتے ہی وہ مر جاتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس کے جسم کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں۔ شائد وہ سیٹی اس کے پیٹ میں کسی بم کی طرح پھٹ جاتی ہے۔‘‘

’’آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔‘‘

’’ایک بار ایک مشتبہ آدمی اس علاقے میں دیکھا گیا تھا۔ میرے آدمیوں نے اُسے گھیر کر پکڑ لیا۔ اس نے سیٹی بجائی اور پھر اسے نگل گیا۔ سیٹی کی آواز پھیلتے ہی کچھ دیر بعد اُن پر چاروں طرف سے گولیاں برسنے لگیں۔ پندرہ میں سے صرف دو آدمی بچے تھے اور ایک نے اس لاش کے چیتھڑے اڑتے دیکھے تھے۔‘‘

’’حملہ آور سامنے نہیں آئے تھے۔‘‘ فریدی نے پوچھا۔

’’نہیں...... یہ پہاڑ ایسے ہیں کہ ان میں پوری پوری فوجیں چھپ سکتی ہیں۔‘‘

پھر خانم نے چاروں طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔ ’’میرے آدمیوں کا خیال ہے کہ تم انہیں لوگوں کے جاسوس ہو۔ اس لئے وہ تمہیں زندہ نہیں دیکھنا چاہتے۔ اب بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنی حقیقت سے آگاہ کردو۔‘‘

پاگل کا امتحان

حمید نے وہ غل غپاڑا مچایا کہ قاسم بدحواس ہوگیا اور اس آدمی پر پتہ نہیں کیا گذری جو دیوار کی خلاء سے جھانک رہا تھا۔ لیکن اب خلاء برابر ہوچکی تھی۔ حمید اس کے باوجود بھی اسی انداز میں چیختا رہا۔

''کیوں میرا دماغ خراب کررہے ہو۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''اس سے کیا فائدہ۔''

''شٹ اپ...... سالے...... اُلو کے پٹھے۔'' حمید نے اسی انداز میں اسے ڈانٹ پلادی۔

''ابے زبان سنبھال کے...... تم خود سالے اُلو کے پٹھے...... شٹ اپ وغیرہ۔''

اس پر حمید نے اسے دو چار گندی گندی گالیاں دیں اور قاسم آپے سے باہر ہوگیا۔ اس نے جھلاہٹ میں دو چار ٹکریں دروازے پر بھی ماریں لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ اتنے میں قاسم کے کانوں میں چھنک چھنک کی آواز بھی آئی، وہ اور بھی پاگل ہوگیا۔ حمید کو چھوڑ کر وہ اس طرف متوجہ ہوگیا۔ بندر روشندان میں کھڑا ناچ رہا تھا۔

اس بار قاسم اس طرح آؤٹ آف کھوپڑی ہوگیا تھا کہ خود اس نے بھی جھلاہٹ میں بندر ہی کی طرح ناچنا شروع کردیا۔

دوسری طرف حمید کے کمرے کا فرش نیچے کی طرف دھنسنے لگا اور اس نے سمجھ لیا کہ آنے والے لمحات فیصلہ کن ہوں گے۔ اس نے اپنی قمیض تار تار کرڈالی اور ٹائی کھول کر اسے اس طرح اپنی گردن میں لپیٹ لیا جیسے دونوں سرے کھینچ کر خودکشی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

جیسے ہی فرش کی حرکت تھمی حمید نے اپنا گلا گھونٹنا شروع کردیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اچانک اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے گئے۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور اس کے منہ سے گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔ تین آدمی اُسے کھینچتے ہوئے محراب سے نکال کر اُسی وسیع ہال میں لے جارہے تھے جہاں اس سے قبل اس نے ایک پراسرار دربار کے مناظر دیکھے تھے۔

''چھوڑو بدتمیزو...... مجھے سجدہ کرو...... میں ملکہ کائنات کا پٹھا ہوں۔'' حمید حلق پھاڑ کر چیخا اور اسی جگہ مچلنے لگا۔ لیکن وہ لوگ اُسے وسط ہال تک کھینچتے رہے۔ پھر چھوڑ دیا۔ حمید نے چھوٹتے ہی کسی

زخمی گوریلے کی طرح اچھلنا کودنا شروع کر دیا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے ان تین آدمیوں کی موجودگی کا احساس تک نہ ہو۔

وہ تینوں اسے حیرت سے دیکھتے رہے۔ پھر اچانک ایک محراب سے پردہ ہٹا اور ایک پروقار آدمی آہستہ آہستہ چلتا ہوا حمید کی طرف آیا۔ اس کے جسم پر جدید طرز کا لباس تھا لیکن چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی تھی اور وہ تین آدمی بھی آج کل کے معمولی ہی لباس میں تھے۔ ان کی کسی بات سے بھی قدامت نہیں ظاہر ہوتی تھی۔

''کیا بات ہے۔'' ڈاڑھی والے نے گرجدار آواز میں کہا۔

حمید اچھل کود ترک کر کے بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر بلا کی وحشت طاری تھی اور آنکھوں کی چمک تو خدا کی پناہ۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ پاگل نہیں ہے۔ حمید ایک شاندار ایکٹر تھا۔

''کیا تم نہیں جانتے کہ کسی وقت بھی تمہاری موت آ سکتی ہے۔'' ڈاڑھی والے نے اُسے گھور کر کہا۔

''میرے داہنے ہاتھ میں موت ہے اور بائیں میں حیات۔ تم مجھے سولی دو۔ میں آسمان پر اٹھا لیا جاؤں گا۔''

''کرنل فریدی کہاں مل سکے گا۔ ہم لوگ بڑے مہمان نواز ہیں۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو گی۔''

''کرنل فریدی آکسفورڈ ڈکشنری کے پندرہویں صفحہ پر ملے گا۔ فریدی ناؤن ہے۔ اس کا ایڈجیکٹو فریدل ہے...... دل دل...... فریدل ...... فرفر...... دلی دل...... ہائے تیری گھوڑی چنے کے کھیت میں۔''

حمید نے ٹھمک ٹھمک کر ناچنا شروع کر دیا۔ ''ننذی تیری گھوڑی چنے کے کھیت میں۔''

ڈاڑھی والا اُسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

''اور بکو......!'' حمید کچھ دیر خاموش رہ کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ''اگر تم میری قابلیت کا امتحان لینا چاہتے ہو تو یہ بھی سہی۔ میں دنیا کے سارے علوم کے متعلق تمہیں چیلنج کر سکتا ہوں۔''

ڈاڑھی والے کی سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ اس نے ان تینوں آدمیوں سے کہا۔

''اسے ریڈ وارڈ میں لے چلو۔''

حمید اب پھر گھسیٹا جانے لگا۔ لیکن اب وہ گالیاں بکنے کے بجائے کسی دیش سیوک کی طرح حب الوطنی پر تقریر کر رہا تھا۔ آخر اس نے بڑے شاندار لہجے میں کہا۔ ''تم نے ایک کو سولی دی، ایک کو زہر پلایا تھا، ایک کے سینے میں خنجر اُتارا تھا...... لیکن میں نہ زہر سے مر سکتا ہوں اور نہ خنجر سے۔ میں تمہاری موت کا پیام ہوں۔''

ہال سے گذر کر وہ ایک طویل سرنگ میں چلتے رہے پھر ایک محراب میں داخل ہو کر ایک بڑے کمرے میں آئے جو اپنے لوازمات کی بناء پر کسی قسم کی لیبارٹری معلوم ہو رہا تھا۔

یہاں پانچ یا چھ سنجیدہ صورت آدمی پہلے ہی سے موجود تھے۔ اُن میں سے ایک کو حمید نے فوراً ہی پہچان لیا۔ وہی بوڑھا تھا جس نے دربار میں زیرو تھری نامی مشین کا مظاہرہ کیا تھا۔

ڈاڑھی والے کو دیکھ کر وہ سب مؤدبانہ انداز میں کھڑے ہو گئے۔

''اس آدمی کی ذہنی حالت کی رپورٹ چاہئے۔'' اس نے حمید کی طرف اشارہ کیا اور لیبارٹری سے نکل گیا۔ وہ تین آدمی جو حمید کو یہاں تک لائے تھے موجود رہے۔

حمید نے سوچا یہ بہت بُرا ہوا۔ اب پول کھل جائے گی۔ جن لوگوں کے پاس زیرو تھری جیسی حیرت انگیز مشینیں ہوں ان کے پاس ذہنی حالت پرکھنے کے اعلیٰ ترین آلات کی کیا کمی ہو سکتی ہے۔ حمید کو فوراً ہی ایک دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کمرے میں عجیب طرح کی روشنی تھی جو نہ روشنی معلوم ہوتی تھی اور نہ تاریکی۔

حمید کو ایکسرے سے ملتی جلتی ایک مشین میں کھڑا کر دیا گیا۔ مشین میں ہلکی سی گھرگھراہٹ پیدا ہوئی اور حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا ذہن خود اسی پر آئینہ ہو گیا ہو۔ گرمی کے مارے اس کا دم گھٹنے لگا۔ حلق خشک ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس پر غشی طاری ہوتی جا رہی ہو۔ شائد تین منٹ بعد اسے مشین سے نکال لیا گیا اور حمید نے پھر اپنی بکواس شروع کر دی۔ لیکن سب فضول...... وہ سوچ رہا تھا کہ ابھی ساری حقیقت ظاہر ہو جائے گی اور انجام...... انجام خدا جانے کیا ہو۔

کمرے سے وہ پھر لیبارٹری میں لایا گیا۔ اب اس نے دیکھا کہ اس کی ذہنی حالت کی جانچ کرنے والا بھی وہی بوڑھا تھا جس نے اُسے زیرو تھری نامی مشین کے کرتب دکھائے تھے۔

اس نے جلدی جلدی ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر ایک آدمی کے حوالے کیا جو فوراً ہی لیبارٹری سے باہر چلا گیا۔ حمید کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں میں سے اب دو ہی باقی رہ گئے تھے۔

شاید پانچ یا چھ منٹ بعد وہ آدمی واپس آ گیا اور اس نے کاغذ بوڑھے کو واپس کر دیا۔ بوڑھے نے پشت پر لکھی ہوئی عبارت پڑھی اور اُن آدمیوں سے بولا۔

''اسے میرے ساتھ لاؤ۔''

حمید کو پھر ایک طویل سرنگ سے گذرنا پڑا لیکن نہ تو یہاں گرمی تھی اور نہ گھٹن کا احساس......وہ چلتے رہے۔ سرنگ کے دائیں اور بائیں جانب دروازوں اور کھڑکیوں کی قطاریں نظر آ رہی تھیں۔ گویا یہ سب بھی کمرے ہی میں تھے۔ اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔ وہ ان لوگوں سے بہت زیادہ مرعوب ہو گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا کبھی کوئی ان لوگوں کو شکست دے سکے گا۔ ایک کمرے کا دروازہ بوڑھے نے کھول کر حمید کو اندر دھکا دے دیا اور پھر دروازہ باہر سے بند کر لیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ پھر کھلا اور بوڑھا اندر داخل ہوا۔

''کیوں......کیا خیال ہے۔'' اس نے مسکرا کر حمید سے پوچھا۔ ''یہ کھیل جاری ہی رکھو گے یا فی الحال وقتی طور پر مہلت چاہتے ہو۔''

حمید نے جواب میں ''ککڑوں کوں'' کی ہانک لگائی اور یہ سلسلہ جاری ہی رکھنا چاہتا تھا کہ بوڑھے نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''مجھے بیوقوف بنانا مشکل ہے۔ ویسے میں نے رپورٹ میں یہی لکھا ہے کہ کسی اچانک ذہنی دھچکے نے مخبوط الحواس کر دیا مگر میرا دعویٰ ہے کہ تم قطعی صحیح الدماغ ہو۔ ویسے تمہیں ایک شاندار ایکٹر ضرور کہا جا سکتا ہے۔''

حمید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا کچھ بولا نہیں۔

خانم کا محل بڑا شاندار تھا۔ یہاں پہنچ کر فریدی کو معلوم ہوا کہ وہ کراغالیوں پر پوری طرح حکمران ہے۔ فریدی کو ایک کشادہ اور آرام دہ کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کی حیثیت قیدیوں کی سی ہے۔ وہ کمرے سے تنہا باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ کمرے کے سامنے تین مسلح سنتریوں کا پہرہ تھا جب بھی وہ باہر نکلتا وہ اس کے ساتھ ہو جاتے۔

سہ پہر کو پھر اس کی طلبی خانم کے سامنے ہوئی۔ وہ ایک جابر حکمران تھی۔ فریدی نے بھی یہی

اندازہ لگایا تھا۔ اس وقت وہ ایک بڑے اور اعلیٰ فرنیچر سے آراستہ کمرے میں تنہا تھی۔ اس کے جسم پر دھانی رنگ کے سلک کا ایک لبادہ تھا اور بال کھلے ہوئے تھے اور بلاشبہ وہ حسین نظر آ رہی تھی۔ صرف حسین، نزاکت اس میں نام کو بھی نہیں تھی۔

اس نے سر کی جنبش سے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی اس کا شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ خانم خاموشی سے کمرے میں ٹہلتی رہی پھر یک بیک رک کر بولی۔

''مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے اس سے پہلے تمہیں کہاں دیکھا تھا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ میں نے تمہیں بہت دیکھا ہے۔''

''میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ میں نے تو پہلی بار کراغال میں آنکھیں کھولی ہیں۔ آنکھیں کھولنا ہی زیادہ موزوں لفظ ہے۔ کیونکہ میرے یہاں پہنچنے میں ارادے کو دخل نہیں تھا۔''

''ادھر دیکھو......!'' دفعتاً خانم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''کراغالی ناقابلِ تسخیر ہیں۔ اگر کسی قوت نے ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی تو اسے پچھتانا پڑے گا۔ ہمارے پہاڑ اچھی طرح ہماری حفاظت کر سکتے ہیں۔ ایک بار ہمارے سات آدمیوں نے ڈھائی سو سفید فام فوجیوں کا خاتمہ کر دیا تھا اور وہ فوجی جدید ترین اسلحہ سے لیس تھے۔ ان کے پاس بھاری گولے پھینکنے والی توپیں بھی تھیں۔ تین بمبار ہوائی جہاز تھے لیکن ہمارے صرف سات آدمیوں نے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا اور اب تم لوگوں نے ہماری طرف دیکھنا شروع کیا ہے جو دراصل اب بھی سفید فاموں کے محتاج ہو۔''

''اگر آپ کو اب بھی میری نیت پر شبہ ہے تو میں کسی قسم کی صفائی پیش کرنا فضول ہی سمجھتا ہوں۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''اس صورت میں انجام بخیر نہیں ہو سکتا۔''

''یہ بھی کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس کے لئے مجھے پریشانی ہو۔ میری نظروں میں انجام تو صرف اس حادثے کا نام ہوگا جو پوری زمین کے چیتھڑے اڑا دے۔ نہ صرف زمین بلکہ پوری کائنات کے خاتمے کا نام انجام ہو سکتا ہے۔''

''بہت اونچی باتیں کر لیتے ہو۔'' خانم نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''اونچی نہیں یہ تو بہت معمولی باتیں ہیں۔ ایک میرے مرنے سے زندگی کا خاتمہ نہیں ہو جائے گا۔''

''میں نے تمہیں اس لئے طلب نہیں کیا کہ تم مجھے فلسفہ پڑھاؤ۔''

''یہ ایک سیدھی سادی بات تھی۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ میری نظروں میں موت کی وقعت نہیں ہے۔''

''تم پہاڑوں کے پیچھے والے دیس کے جاسوس ہو۔''

''میں کچھ بھی ہوں لیکن مجھے کراغالیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔''

''تو تم اسے تسلیم کرتے ہو کہ تم جاسوس ہو۔''

''میں کوئی ایسی بات تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں جس کا آپ سے کوئی سروکار نہ ہو۔''

''تم کراغال کی خانم سے گفتگو کر رہے ہو۔''

''میرا خیال ہے کہ مجھ سے ابھی تک کوئی گستاخی سرزد نہیں ہوئی۔ ویسے میں ایک پیشین گوئی ضرور کروں گا۔''

''کیا......؟''

''آپ کے وہ نامعلوم دشمن جن کی حیرت انگیز سیٹی کا تذکرہ آپ نے کیا تھا عنقریب آپ کے لئے مصیبت بننے والے ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''وہ ایک ایسے علاقے کی تلاش میں ہیں جہاں سے ہماری حکومت کے خلاف فتنے اٹھا سکیں۔''

''پھر......!''

''پھر یہ کہ اگر کراغالی کی خانم نے دانش مندی سے کام نہ لیا تو کراغال کا بھی وہی حشر ہوگا جو قلعہ مقلان کا ہوا تھا۔ بوڑھا خان اعظم آج بھی اپنے جوان بیٹے کا داغ سینے پر لئے زندہ ہے۔''

''تم نصرت خان کا تذکرہ کر رہے ہو شائد۔''

''ہاں...... میں اسی کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ وہ ایک سیدھا سادہ مگر دلیر آدمی تھا۔ چند شیطانوں نے اپنا اُلو سیدھا کرنے کے لئے اسے غلط راستوں پر ڈال دیا۔ مقصد یہی تھا کہ قلعہ مقلان پر ان کا تسلط ہو جائے۔''

''ہاں...... ہاں...... یہ داستانیں میرے کانوں تک پہنچی ہیں۔''

''اس تنظیم کا سرغنہ مار ڈالا گیا تھا لیکن تنظیم بدستور قائم تھی اور میرا خیال ہے کہ وہ روز بروز جڑ پکڑتی جارہی ہے۔''

''تو یہ حیرت انگیز سیٹی والے......!''

''میرا خیال ہے کہ یہ اسی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں اور ہاں......آپ نے مجھے ایک رائفل دکھانے کا وعدہ کیا تھا۔''

''مگر تم یقین کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو۔''

''میں اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ میں بھی انہیں کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا۔''

''میں نہیں سمجھتی کہ تمہارے بیان پر کیوں یقین کرلیا جائے۔''

''نہ کیا جائے۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا اور خانم پھر جھنجھلا گئی۔ شاید اسے توقع تھی کہ فریدی خود کو خطرے میں دیکھ کر روئے گا۔ گڑگڑائے گا۔ رحم کی بھیک مانگے گا اپنی معصومیت ثابت کرنے کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دے گا۔

''کراغالی فوراً ہی ہلاک نہیں کر دیتے۔'' اس نے سرد لہجے میں کہا۔

''اذیتیں دے کر مارتے ہوں گے۔'' فریدی نے پھر لاپروائی کا اظہار کیا اور خانم کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ لیکن خانم زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکی وہ بغلیں جھانکنے لگی۔ پھر اس نے تالی بجائی اور ایک خادم پردہ ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا۔

''یوسف خان سے کہو کہ وہ رائفل پیش کرے۔'' خانم نے کہا۔ خادم تعظیماً جھکا اور الٹے پاؤں باہر نکل گیا۔

''ایک رائفل ہی پر کیا منحصر ہے۔ معزز خانم......ان لوگوں کے پاس حیرت انگیز چیزیں ہیں۔ وہ آدمیوں کو کوئلوں کے بتوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔''

''کیا......؟'' دفعتاً خانم چیخ کر کھڑی ہوگئی۔ اسکی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔

''ہاں......میں غلط نہیں کہتا......ان کے پاس دنیا کے بہترین دماغ ہیں جو شب و روز ان کے لئے محنت کرتے ہیں۔ شاید وہ لوگ قوت میں آنے کے بعد ساری دنیا پر چھا جائیں۔''

''لیکن تم نے ابھی کوئلے کے مجسمے کے بارے میں کیا کہا تھا۔''

''یہی کہا تھا کہ ان کے اسلحے آدمی کو کوئلے کے مجسمے میں تبدیل کر سکتے ہیں۔''

"تمہیں کیا معلوم ...... کیا تم کسی ایسے حربے سے واقف ہو۔"

"نہیں ...... لیکن ایک ایسا مجسمہ دیکھ چکا ہوں۔"

خانم سر پکڑ کر کرسی میں گر گئی۔ اس کے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ اس تذکرے سے آپ کو کسی قسم کی تکلیف پہنچی ہے۔"

فریدی نرم لہجے میں بولا۔

خانم نے ہاتھ ہلا کر اُسے جانے کا اشارہ کیا۔ فریدی اس کے اس رویہ پر متحیر رہ گیا۔ کوئلے کے مجسموں کا نام سنتے ہی وہ چیخی تھی اور پھر بے حس و حرکت ہو کر کرسی میں گر گئی تھی۔

فریدی چپ چاپ کمرے سے نکل گیا۔ دونوں سنتری کمرے کے باہر موجود تھے۔ وہ ان کے ساتھ بھی خاموشی ہی سے چلتا رہا۔ خانم کا رویہ عجیب و غریب تھا۔ اس نے شائد وہی رائفل طلب کی تھی لیکن کوئلے کے مجسمے کا تذکرہ آتے ہی اس طرح بدحواس کیوں ہو گئی۔

فریدی الجھن میں پڑ گیا۔

محل میں شور

حمید اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ بوڑھے کی بات فوراً ہی تسلیم کر لیتا۔ اس نے مسکرا کر سینہ پیٹتے ہوئے اُسے آنکھ ماری اور دو تین عاشقانہ اشعار پڑھ دیئے۔

"میں تمہارا ہمدرد ہوں۔" بوڑھے نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں تمہارے ہمدرد کا باپ ہوں...... آگے چلو۔"

"تم پاگل نہیں ہو۔" بوڑھا مسکرایا۔

"تم بھی پاگل نہیں ہو۔" حمید بھی اُسی انداز میں کہہ کر مسکرایا۔

"اگر تم نے سیدھی طرح مجھ سے گفتگو نہ کی تو بھگتو گے۔"

''اگر تم نے مجھ سے گفتگو کی طرح سیدھی نہ کی تو...... بھگتو...... بھگتو...... بھگتو...... ارے بھگتو...... بھئی بھگتو...... بھگتو...... بھگتو گے۔''

وہ ''بھگتو، بھگتو'' کی گردان کرتا ہوا ناچنے بھی لگا تھا۔ ویسے اس گھٹیا پن پر اس کا دل رو رہا تھا۔

''تو تم یوں نہیں مانو گے۔''

''پھر کیسے مانوں گا۔'' حمید نے غرا کر سوال کیا۔

''ابھی بتاتا ہوں۔''

''جلدی بتاؤ...... بتاؤ جلدی...... اتنی دیر۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم خطرناک پاگلوں میں سے نہیں ہو۔''

''مجھے خوشی ہے کہ تم خطرناک پاگلوں میں سے نہیں ہو۔'' حمید نے اسی انداز میں جواب دیا۔

''اچھا ٹھہرو......!'' بوڑھے نے کہا اور کمرے کا دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

حمید سخت الجھن میں تھا کہ وہ اسے جان سے نہیں مارنا چاہتے ورنہ اتنی دیر تک زندہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر صرف فریدی کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے زندہ رکھنا بھی سمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔

بہرحال اس نے تہیہ کرلیا کہ جب تک اوسان بجا رہیں گے ہر طرح ان کا مقابلہ کرتا رہے گا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا۔ لیکن اس بار حمید کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ آنے والی ایک لڑکی تھی اور یہ کہنا حماقت ہی ہوگی کہ وہ بہت خوبصورت تھی۔ دنیا کی ساری لڑکیاں خوبصورت ہی ہوتی ہیں کم از کم حمید کی نظروں سے تو آج تک کوئی بدصورت لڑکی نہیں گذری تھی۔

یہ واقعی امتحان کا وقت تھا۔ حمید بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ پتھر کے بت کی طرح...... حتیٰ کہ اس کی آنکھیں بھی متحرک نہیں تھیں۔

لڑکی آہستہ آہستہ اس کے قریب آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ''اب یہ قصہ ختم کردیجئے۔ ہم آپ کو کسی طرح بھی ضائع نہ ہونے دیں گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ لیکن اب اس کی پلکیں جھپکنے لگی تھیں۔

''میں آپ سے استدعا کرتی ہوں۔ ویسے آپ شوق سے پاگل بنے رہئے گا۔ اسی میں آپ کی بہتری ہے لیکن میں اور ڈاکٹر زبیری آپ کے دوست ہیں۔ ہم سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ آپ کیپٹن حمید ہیں اور کرنل فریدی ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگے۔"

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اس کے ذہن پر سے گویا ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔

"ان کا دعویٰ ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "کہ انہوں نے کرنل کو گولی ماردی لیکن انہیں لاش نہیں مل سکی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بچ نکلے ہوں گے۔"

حمید اب بھی خاموش رہا۔

"آپ بولتے کیوں نہیں۔"

"میں آدمی نہیں ہوں۔" حمید نے بھرائی ہوئی دردناک آواز میں کہا۔ "میں پرندہ ہوں۔ ننھا سا پرندہ میری ماں مجھے گونسلے میں چھوڑ کر چلی جاتی تھی۔ دن بھر اڑتی رہتی تھی۔ پھر شام کو واپس آتی۔ ہم کئی ننھے ننھے بچے گھونسلے سے سر نکال کر اپنی چونچیں پھیلا دیتے اور کپکپاتے رہتے...... چیختے رہے۔ حتیٰ کہ وہ ہمارا پیٹ بھر دیتی۔ میری ماں ملکہ کائنات ہے۔ پھر مجھے ڈاڑھی والوں نے پکڑلیا ماں...... ملکہ کائنات...... مجھے بچالو...... بچالو۔" حمید دردناک آواز میں چیختا کراہتا رہا۔

لڑکی کے چہرے پر کچھ ایسے آثار نظر آنے لگے جیسے اسے بھی حمید کے پاگل پن پر یقین آ گیا ہو۔ حمید نے اس کی آنکھوں میں مایوسی کے گہرے بادل دیکھے اور وہ سوچنے لگا ممکن ہے یہ لڑکی تنظیم کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوگئی ہو۔ ہوسکتا ہے بوڑھا انجینئر بھی ان زیر زمین فضاؤں میں تنگ آ گیا ہو اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس بھیڑ میں سبھی خوشی سے کام کر رہے ہوں۔ بہتیرے ایسے بھی ہوں گے جنہیں زبردستی مجبور کیا گیا ہوگا۔

حمید نے پھر لڑکی کی طرف دیکھا جواب خوفزدہ بھی نظر آنے لگی تھی اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسک رہی تھی۔

"ٹھہرو...... تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

لڑکی رک گئی۔

"صرف یہ کہ آپ پاگل نہیں ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب اخلاقاً مجھے بھی کہنا پڑے گا کہ تم بھی پاگل نہیں ہو۔"

لڑکی ہنس پڑی۔

"اب اخلاقاً مجھے بھی ہنسنا پڑے گا۔" حمید نے کہا اور ہنسنے لگا۔ لڑکی اور زور سے ہنسی۔ حمید کی

ہنسی بھی اُسے مناسبت سے تیز ہوگئی۔ٹھیک اسی وقت بوڑھا انجینئر بھی کمرے میں داخل ہوا لیکن ان دونوں کو پاگلوں کی طرح ہنستے دیکھ کر دروازے ہی پر ٹھٹک گیا۔

''کیا یہ حضرت اب بھی راہ پر نہیں آئے۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا اور حمید نے اپنی ہنسی میں بریک لگا دیا اور دوسرے ہی لمحے میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ہنسی تو الگ رہی وہ سالہا سال سے مسکرایا بھی نہ ہو۔

''کیپٹن......!'' بوڑھے نے کہا۔''یقین کرو ہم دونوں تمہارے دوست ہیں۔''

''یقین کرلوں۔''

''ہاں کیپٹن۔''

''اچھا......تو کرلیا یقین......پھر......!''

لڑکی جو اُسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی بولی۔''یہاں اس زیرِ زمین دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئے۔''

''ہوسکتا ہے۔''

''ان کی خواہش ہے کہ وہ اس جنجال سے نکل جائیں۔''

''تو انہیں نکل جانا چاہئے۔'' حمید نے بڑی سادگی سے کہا۔

''یہ آسان کام نہیں ہے کیپٹن۔'' لڑکی نے آہستہ سے کہا۔''اگر یہ ہمارے امکان میں ہوتا تو کبھی کے نکل گئے ہوتے۔''

''تو پھر مجھ سے ہمدردی کرنے کا کیا مقصد ہے۔کیا یہ میرے امکان میں ہے۔''

''ہے قطعی ہے۔'' بوڑھا بولا۔''تم یہ نہ سمجھو کہ تم یہاں مار ڈالے جانے کے لئے لائے گئے ہو۔اگر یہ بات ہوتی تو یہاں تک لانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔''

''پھر یہاں لانے کا کیا مقصد ہے۔''

''تم یہ بھی جانتے ہو کپتان کہ تم کن لوگوں میں ہو۔''

''میں نہیں جانتا۔''

''حالانکہ پہلے بھی تم لوگ ان لوگوں سے ٹکرا چکے ہو۔''

''اچھا......!'' حمید نے حیرت کا اظہار کیا۔

''کیا یہ حقیقت ہے کہ تم نہیں سمجھ سکے۔'' بوڑھے نے پوچھا۔

حمید جواب نہیں دے پایا تھا کہ اچانک کمرے کے کسی گوشے سے ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز آئی اور بوڑھا یک بیک حمید پر ٹوٹ پڑا۔ پہلے اس نے دو چار مکے مارے اور پھر نیچے گرا دینے کی کوشش کرنے لگا۔ حمید اس اچانک حملے پر بوکھلا گیا ساتھ ہی اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ بوڑھا کمزور بھی نہیں ہے۔

اب وہ دونوں اچھی طرح ایک دوسرے سے لپٹ پڑے تھے اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ لڑکی چیخ رہی تھی۔

اچانک باہر سے کسی نے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔ لڑکی نے بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں دروازہ کھولا اور دو مسلح آدمی اندر گھس آئے۔

انہوں نے بمشکل تمام دونوں کو الگ کیا۔

بوڑھا ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ''لے جاؤ...... اسے تین نمبر میں رکھو...... یہ خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔ انتہائی خطرناک۔''

حمید بُری طرح بوکھلایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

فریدی کے سگار کیس میں آخری سگار رہ گیا تھا۔ اس نے اسے بڑی حسرت سے دیکھا اور سگار کیس ایک طرف ڈال دیا۔ اس نے خانم کے محل میں ابھی تک کسی کو تمباکو پیتے نہیں دیکھا تھا۔ ایسی صورت میں اُسے حقیقتاً تھوڑی بہت تکلیف اٹھانی پڑتی۔ وہ تھوڑی دیر تک کمرے میں ٹہلتا رہا پھر ایک آرام کرسی میں گر گیا۔ اب وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر گلو خلاصی کی کیا صورت ہوگی۔ یہ ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

خانم بڑی سفاک عورت معلوم ہوتی تھی اور اس کے آدمی چالاک تھے۔ پھرتیلے تھے۔ وہ عقاب کی سی آنکھیں رکھتے تھے۔ پچھلی رات ان کی مستعدی کا اندازہ کرنے ہی کے لئے فریدی نہیں سویا تھا۔ وہ بار بار اٹھ کر کھڑکی کے قریب آتا اور سنتریوں کو ٹہلتا ہوا پاتا۔ رات کو ان کی تعداد تین

سے بڑھا کر دس کردی گئی تھی، نہ وہ آپس میں گفتگو کرتے اور نہ برآمدے سے ہٹ کر کہیں اور جاتے۔ اس سے فریدی نے اندازہ کرلیا تھا کہ خانم ایک بہت اچھی منتظم ہے اور اس کے آدمی اس سے خائف رہتے ہیں۔

ابھی تک فریدی کو یہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس کی ہر ضرورت ایک اشارے پر پوری ہو جاتی۔

فریدی نے سوچا اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ کراغالی بیرونی دنیا سے بھی کچھ تعلق رکھتے ہیں یا خود ہی اپنے کفیل ہیں۔ سنی ہوئی باتیں اکثر غلط بھی ہوتی ہیں۔ بہر حال سگار ہی کا مسئلہ اس پر بھی روشنی ڈال سکتا تھا۔ اگر اسے یہاں سگار دستیاب ہو جائیں تو یقینی طور پر یہ کہا جاسکے گا کہ کراغالی بیرونی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔

وہ ابھی ابھی خانم سے مل کر واپس آیا تھا اور خانم کے رویئے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہتا تھا۔ اس پر تو اسے یقین ہو چکا تھا کہ اس کے شکار وادی کراغال سے زیادہ دور نہیں ہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کراغال کے پہاڑوں میں بھی انہوں نے اپنے مسکن بنا رکھے ہوں۔ اسے اس پر بھی یقین تھا کہ رام گڈھ کی پہاڑیوں سے یہاں تک وہ زیادہ دور نہ رہا ہوگا اگر کسی طرح یہاں سے رہائی کی صورت ممکن ہوتی تو وہ ندی پر چھان بین کرتا۔ فریدی سوچتا رہا اور بے خیالی میں اکلوتا سگار لگالیا۔ جس کی بعد اچھا تمباکو نصیب ہونے کی توقع نہیں تھی۔

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔

''آ جاؤ......!'' فریدی نے کہا۔

دوسرے لمحے میں خانم کا بوڑھا مشیر یوسف خاں کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔

''میں تم سے کھلی ہوئی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔'' یوسف خاں غرایا۔

''میں کھلی سے بھی زیادہ کے لئے تیار ہوں...... خان۔'' فریدی نے لاپروائی سے سگار کا دھواں منتشر کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر دیکھو خاں...... یہ میرا آخری سگار ہے۔ اس کے بعد مجھے کافی پریشانی اٹھانی پڑے گی۔''

''منگوا دیا جائے گا۔'' یوسف خاں نے بیزاری سے کہا۔

''خیر...... ہاں تو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''تم نے خانم سے کیا کہا ہے۔''

''کچھ بھی نہیں...... ہم دونوں گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً خانم نے چلے جانے کو کہا اور میں وجہ پوچھے بغیر چلا آیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ انہوں نے مجھے اس طرح کیوں اٹھا دیا تھا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے۔''

''کس قسم کی گفتگو ہو رہی تھی۔''

''بس یہی میری موجودہ حالت کے متعلق۔ خانم مجھے اب بھی اپنے کسی دشمن کا ایجنٹ سمجھتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اب میں اس سلسلے میں کوئی گفتگو کرنا ہی نہیں چاہتا۔ تم لوگ یقین کرو گے نہیں۔ پھر میں اپنا وقت کیوں برباد کروں۔''

''ہم اگر یقین نہ کریں تو اس صورت میں کیا ہوگا...... جانتے ہو......؟'' یوسف خاں نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''ہاں آں......!'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ ''اس صورت میں تم لوگ مجھے مار ڈالنے کی کوشش کرو گے۔''

''کوشش نہیں کریں گے بلکہ مار ڈالیں گے۔''

''اُسی طرح جیسے ایک حقیر سی چیونٹی کو مار ڈالتے ہو۔'' فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

''یقیناً اسی طرح۔''

''لیکن میں چیونٹی نہیں ہوں یوسف خاں ......تمہارے دیس میں تنہا ہوں پھر بھی میں خود کو چیونٹی نہیں سمجھ سکتا۔''

''اچھا...... ہم یہ بھی دیکھ لیں گے۔'' یوسف خاں نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

''آہا...... ٹھہرو...... یوسف خاں...... اب یاد آ گیا۔ خانم گفتگو کرتے کرتے اچانک کچھ پریشان سی ہو گئی تھیں اور میں اس وقت کوئلے کے مجسموں کا تذکرہ کر رہا تھا۔''

''کوئلے کے مجسمے...... میں نہیں سمجھا۔''

''مطلب یہ کہ ایک ایسا مجسمہ جو ہو بہو تمہاری تصویر ہو لیکن وہ کوئلے کو تراش کر بنایا گیا ہو۔''

خان یوسف جھنجھلاہٹ کے باوجود بھی مسکرا پڑا اور پھر بولا۔ ''اب تم شائد یہ ظاہر کرنا چاہتے

ہو کہ تمہارے دماغ میں فتور ہے۔ مگر اس طرح تم اپنی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکو گے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ میں نے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس سے تمہیں اس چیز کا شبہ ہو سکے۔ میں نے تو وہ بات کہی تھی جس پر خانم پریشان ہو گئی تھیں۔"

"بہر حال......!" خان یوسف تھوڑی دیر بعد بولا۔ "تمہیں صرف چوبیس گھنٹے اور دیئے جاتے ہیں۔ اگر تم نے ہمیں اپنی اصلیت سے آگاہ نہ کیا تو چوبیسویں گھنٹے کے بعد کبھی نہ آگاہ کر سکو گے۔"

"یعنی پچیسواں گھنٹہ شروع ہوتے ہی قبر میں ہوں گا۔"

"نہیں......!" یوسف خان نے لاپروائی سے کہا۔ "خانم کے خونخوار کتے ہمیں قبر کھودنے کی محنت سے بچا لیتے ہیں۔"

"اچھا.....!" فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "لیکن کتوں کی غذا بنانے سے پہلے مجھے ابالنا مت بھولنا ورنہ ان کا ہاضمہ خراب ہو جائے گا۔ میں کچھ اس قسم کا آدمی ہوں۔"

"مجھ سے کام کی بات کرو۔" یوسف خاں جھلا گیا۔

"کیا میں نے ابھی تک تمہاری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں.....ہمیں اس کے علاوہ اور کسی بات سے سروکار نہیں ہے کہ تم یہاں کیوں کر آئے ہو۔"

"اللہ کی مرضی......اپنے پیروں سے چل کر تو آیا نہیں۔"

"یہ ایک بڑا اچھا بہانہ ہے۔" خان یوسف نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ "مگر اب بہت پرانا ہو چکا ہے۔ جب تمہارے دیس پر سفید کتوں کی حکومت تھی اس وقت بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا۔ سفید کتوں کا ایک غلام ہماری جاسوسی کی غرض سے یہاں آ گھسا تھا اس کے جسم پر سینکڑوں زخم تھے اور وہ جاں بلب ہو رہا تھا۔ ہم ترس کھا کر اسے اٹھا لائے اور اس نے ہوش میں آنے کے بعد بتایا کہ اسے دور کے پہاڑوں میں بھیڑیوں کے ایک جھنڈ نے گھیر لیا تھا۔ ہم نے اس کی باتوں پر یقین کر لیا۔ اس کی تیمارداری کرتے رہے۔ اس کے آرام و آرائش کا خیال رکھا۔ مگر اس کتے کی حقیقت بعد میں ظاہر ہوئی۔ وہ سفید فاموں کا جاسوس تھا۔ کراغال میں بغاوت کرانا چاہتا تھا۔ ہمیں تباہی کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ جس دسترخوان پر اس کا پیٹ بھرا جاتا تھا اس پر اس نے غلاظت پھیلانے کی کوشش کی......اب تم آئے ہو۔"

"پھر تم نے اسے کیا سزا دی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

''خانم کے خون خوار کتے اگر زبان رکھتے ہوتے تو تمہیں بتاتے۔''

''اچھی بات ہے اگر تم مجھے کراغال کے لئے خطرہ سمجھتے ہو تو ان خونخوار کتوں کے لئے ایک مثال اور قائم کردو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''زبانی طراریاں بھول جاؤ گے۔'' خان یوسف غرایا۔ ''میں تمہیں صرف چوبیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔''

وہ اٹھا اور پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ فریدی نے بجھا ہوا سگار دوبارہ سلگایا۔ دو تین گہرے گہرے کش لئے اور آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔ اس کے بائیں بازو کا زخم دکھ رہا تھا۔

اچانک اس نے شور کی آواز سنی۔ محل ہی کے کسی گوشے میں شور ہو رہا تھا۔ کمرے میں ٹہلنے والے سنتری سنبھل کر کھڑے ہوگئے۔ لیکن اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔ شور کچھ اسی قسم کا تھا کہ سنتریوں کو دریافت حال کے لئے دوڑنا چاہئے تھا لیکن شائد وہ اپنا فرض بجالانے کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ شور دم بدم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آہستہ آہستہ پورے محل میں پھیلتا جا رہا ہو۔

برج میں ہنگامہ

حمید اب سچ مچ پاگل ہوجانے کے ''موڈ'' میں تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جو بھی سامنے پڑ جائے اس کے ٹکڑے اڑا دے۔

وہ تو یہ سمجھتا تھا کہ اس زیر زمین دنیا کے دو افراد اس کے ہمدرد ہوگئے ہیں لیکن شائد یہ بھی ان کی کوئی چال تھی۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔

اسے اب ایک کٹہرے میں بند کردیا گیا تھا۔ کٹہرا بالکل ویسا ہی تھا جیسے چڑیا گھروں میں خونخوار جانوروں کے رکھنے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اس پر اسے اور زیادہ غصہ آیا۔ یہ جگہ کچھ نیم

تاریک سی تھی اس لئے حمید نے سمجھا کہ شائد وہ یہاں تنہا ہی ہوگا لیکن تھوڑی دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہوگئیں تو اس نے محسوس کیا کہ وہاں تنہا نہیں ہے۔ یہاں ویسے ہی درجنوں کٹہرے تھے اور شائد ان میں آدمی ہی بند تھے۔ کچھ دیر بعد رہا سہا شبہ بھی زائل ہوگیا۔ ان کٹہروں میں آدمی ہی تھے۔

یک بیک اندھیرے میں چیخ لہرائی اور کسی کٹہرے ہی سے کوئی آدمی حلق پھاڑنے لگا۔ ''ملکہ کائنات کی ایسی کی تیسی...... سب فراڈ ہے...... تم سب فراڈ ہو...... میرے بیٹے...... میرے بیٹے۔''

پھر وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگا اور تھوڑی دیر بعد پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہوگیا۔

حمید سخت الجھن میں تھا۔ اتنے بڑے مجرم آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذرے تھے۔ کبھی کبھی وہ یہ بھی سوچنے لگتا کہ کہیں یہ سب ایک طویل اور مسلسل خواب تو نہیں ہے مگر خواب میں بھی ایسے مجرموں کے وجود پر یقین نہ آتا۔

وہ رات بھر مختلف قسم کی چیخیں سنتا رہا۔ لیکن نیند بہرحال نیند ٹھہری۔ پھانسی کے تختے پر بھی آجاتی ہے۔ دوسری صبح جب وہ جاگا تو نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ابھی ابھی پیدا ہوا ہو۔ اسے اپنے گردو پیش کی ہر چیز بالکل نئی اور عجیب معلوم ہورہی تھی۔ حالانکہ اب بھی وہ اسی کٹہرے میں تھا جس میں پچھلی رات بند کیا گیا تھا۔ اب اس وقت اسے سارے کٹہرے نظر آرہے تھے۔ ان میں آدمی ہی تھے مرد اور عورتیں۔ ان کی حالت تباہ تھی اور آنکھوں سے ایسی وحشت جھلکتی تھی جیسے وہ سچ مچ جانور ہی ہوں۔ ایک کٹہرے میں حمید کو ایک جانور بھی نظر آیا۔ یہ گدھا تھا۔ اس کی موجودگی حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ ویسے تو کچھ بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہ سب ذہنی فتور ہی میں مبتلا ہیں۔ مگر گدھا کیوں...... اس کا کیا مقصد ہے؟

اچانک بچوں کی ایک فوج وہاں گھس آئی۔ وہ سب دس گیارہ سال سے زیادہ کے نہ رہے ہوں گے۔ انکے جسموں پر سیاہ قمیصیں اور سفید ہاف پینٹ تھے۔ ایک آدمی بھی ان کے ساتھ تھا۔

ان بچوں نے اپنے ہاتھوں میں ننھی ننھی چھابیاں لٹکا رکھی تھیں جن میں پھل تھے۔

''یہ کون ہے...... یہ کون ہے۔'' بچوں نے حمید کے کٹہرے کے سامنے رک کر شور مچایا۔

''یہ......!'' ان کے ساتھ کے آدمی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کرتے ہوئے کہا۔ ''نیا آدمی آیا ہے۔''

''اس کا نام کیا ہے۔'' بچوں نے پوچھا۔

''کیپٹن حمید......!'' آدمی نے گدھے کے کٹہرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''یہ بھی اسی کی ترقی یافتہ نسل سے ہے۔ اب تم بتاؤ کہ ترقی کسے کہتے ہیں......اے......تم بتاؤ۔''

جس لڑکے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس نے کہا۔ ''یہ ایک لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں دھوکا۔ ترقی یافتہ گدھا اسے کہتے ہیں جو اصل مقصد کو تاریکی میں رکھ کر دیدہ دانستہ اس کی غلط دلیلیں پیش کرے۔''

''ٹھیک......اس نسل کی گدھوں کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟''

''ان کا طرز حکومت جمہوری کہلاتا ہے۔ جس کے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مغز چند آدمیوں کے حصے میں آئے اور ہڈیاں عوام کے آگے ڈال دی جائیں۔ یہ اپنے مسائل طاقت ہی سے حل کرتے ہیں مگر اُسے اشتراک باہمی کا نام دیتے ہیں۔ اس کے حاکم خود کو عوام کا نمائندہ کہتے ہیں۔ عوام ہی انہیں حکومت کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ لیکن یہاں کی مالی قوت ہی ہوتی ہے جو انہیں اقتدار کی کرسی پر پہنچاتی ہے۔ لیکن وہ اسے عوام کی قوت اور رائے عامہ کہتے ہیں۔ حالانکہ رائے عامہ مالی قوت ہی سے خریدی جاتی ہے۔ انہیں منتخب ہونے کے لئے اپنے مخالفوں کے خلاف بڑے بڑے محاذ قائم کرنے پڑتے ہیں۔ ایک خطرناک قسم کی جدوجہد شروع ہوتی ہے اور اس جنگ کو ''رائے عامہ ہموار کرنا'' کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی طاقت ہی کارفرما ہوتی ہے۔ آخر ایک آدمی مخالفوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔

''صاحب زادے۔'' دفعتاً حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''کیا تم اپنی پیدائش کے حادثے پر بھی روشنی ڈال سکو گے۔ تم بڑے حقیقت پسند ہو۔ مجھے اس کے متعلق بھی بتاؤ۔''

لڑکا خاموش ہو کر اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس نے سوالات کئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حمید کا سوال اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا ہو۔ اس آدمی نے حمید کی طرف مسکرا کر دیکھا اور حمید کو یاد آگیا کہ وہ تو پاگل تھا۔ یہ چال بھی اس کے امتحان ہی کے لئے چلی گئی ہو۔ یک بیک اس نے کٹہرے کی دو سلاخوں کو مضبوطی سے پکڑ کر آگے کی طرف جھکتے ہوئے کتوں کی طرح بھونکنا شروع کر دیا۔

لڑکے تالیاں بجا بجا کر ہنسنے لگے۔ انہوں نے پھلوں سے اس پر نشانے لگائے اور کٹہرے میں

کافی پھل اکٹھا ہو گئے۔ حمید رات سے بھوکا تھا۔ لیکن اس نے ان میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ دوسرے کٹہروں سے شور ہونے لگا۔ ''ادھر آؤ......ادھر آؤ۔''

شاید وہ لوگ بھی بھوکے تھے اور انہیں اسی طرح کھانے کو کچھ مل جاتا تھا۔

بچوں نے دوسرے کٹہروں میں بھی پھل پھینکنے شروع کر دیئے اور وہ لوگ سچ مچ جانوروں ہی کی طرح ان پھلوں پر ٹوٹ پڑے۔ بندروں ہی کی طرح جلدی جلدی انہیں کچلتے ہوئے حلق سے اتارنے لگے۔

اسی شور میں گدھے نے بھی رینکنا شروع کر دیا۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ حمید کا دل ان آدمیوں کے لئے درد سے بھر گیا جو کٹہروں میں مقید جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ وہ گم سم کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ شور آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

بچوں کی فوج تھوڑی دیر بعد وہاں سے چلی گئی اب وہاں پھر سناٹے کی حکمرانی تھی۔ وہ لوگ سچ مچ جانور ہی معلوم ہوتے تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور یا تو منہ پھیر لیتے یا سر کھجانے لگتے۔ انکی آنکھوں میں اداسی تھی اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے سخت بیزار معلوم ہوتے تھے۔

حمید کے سامنے والے کٹہرے میں ایک معمولی شکل صورت والی لڑکی تھی۔ اس نے اوروں کی طرح پھل نہیں کھائے تھے۔ گھٹنوں میں سر دیئے ایک طرف بیٹھی تھی۔ وہ کٹہرا حمید کے کٹہرے سے بہت قریب تھا اس لئے حمید نے سوچا کہ اس لڑکی سے گفتگو کا آغاز کیا جائے۔ وہ یہ جاننے کے لئے بے چین تھا کہ انہیں کٹہروں میں کیوں رکھا گیا ہے۔

بڑی دیر بعد وہ اس لڑکی کو اپنے طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس کی آنکھوں میں ایک کرب انگیز سی بے چینی تھی۔

''یہ لوگ اور تم ان کٹہروں میں کیوں ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''یہی سوال آپ سی بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''اوہ......میں۔'' حمید نے جلدی سے کہا ''مجھے ابھی نہیں معلوم ہو سکا کہ انہوں نے مجھے پکڑا کیوں ہے۔ تم شائد زیادہ دنوں سے یہاں ہوں۔''

''جی ہاں......میں بہت دنوں سے ہوں۔''

''پھر تم مجھے یہ تو بتا ہی سکو گی۔''

''میں نہیں جانتی کہ میرا کیا قصور ہے۔ ویسے انہوں نے مجھ پر پاگل ہو جانے کی تہمت رکھ کر یہاں بند کر رکھا ہے۔''

''پکڑا کیوں تھا۔''

''میں نہیں جانتی۔ میں ایک ریڈیو سنگر ہوں۔ گانے نشر کرنا میرا ذریعہ معاش تھا۔ یہ لوگ مجھے پکڑ لائے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ ہمیں ایک گانے والی کی ضرورت ہے۔ میں نے اس پر احتجاج کیا تو مجھے پاگل قرار دے دیا گیا۔ اب تاوقتیکہ میں اس کا اعتراف نہ کرلوں کہ میرے ساتھ انصاف کیا گیا ہے مجھے اس کٹہرے میں بند رہنا پڑے گا۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ کیا انصاف ہے۔ مجھے بیکراں نیلے آسمان کی خوشگوار چھاؤں سے محروم کر دیا گیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں۔ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں خود ہی منطقی استدلال سے یہ ثابت کر دوں کہ انہوں نے وہی کیا ہے جو حقیقتاً ہونا چاہئے اور یہ بے انصافی نہیں ہے؟ کیا یہ لوگ صحیح الدماغ ہیں۔''

''تم تسلیم کرلو جو کچھ کہتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں کروں گی...... خواہ یہیں سسک سسک کر مر جاؤں۔''

حمید مغموم انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔ آہستہ آہستہ اس خطرناک گروہ کی اصلیت کو پہنچ رہا تھا۔

فریدی نے پہرے داروں سے پوچھا لیکن انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے ان سے کہا کہ وہ معلوم کریں۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ پھر فریدی ان کی فرض شناسی پر حیران رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ قبائل ان کے دیس میں نیم وحشی سمجھے جاتے ہیں مگر ان کے اندر نظم و ضبط کی جتنی صلاحیت ہے شائد ہی کسی مذہب قوم میں ہو۔

اچانک اس کی نظر یوسف خان پر پڑی جو سراسیمگی کے عالم میں ایک طرف دوڑا جا رہا تھا۔ فریدی نے اسے روکنا چاہا لیکن اس نے رک کر صرف اتنا ہی کہا کہ تمہارے ساتھ بہت جلد انصاف کیا جائے گا۔

پھر وہ چلا گیا۔ مسلح کراغالی محل کی چھتوں پر چڑھ رہے تھے۔ دفعتاً گولیاں چلنے لگیں۔ فریدی

بے چین ہو گیا۔ ایسے حالات میں نچلا بیٹھنا اس کے لئے مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

پھر اس نے دو کنیزوں کی گفتگو سے اندازہ کیا کہ کسی دشمن قبیلے نے حملہ کیا ہے۔

''کیا تم لوگ مجھے خانم تک نہیں پہنچا سکتے۔'' اس نے پہرہ داروں سے کہا۔

''بہتر یہی ہے کہ تم اپنے کمرے میں واپس چلو۔'' پہرہ داروں کا انچارج بولا۔

''ورنہ خان یوسف بُری طرح پیش آئیں گے۔''

پھر یک بیک خان یوسف ہی نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ دو مسلح سپاہی تھے۔ اس نے آتے ہی فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا اور سپاہیوں کو گرج کر کہا۔ ''لے چلو۔''

''کیوں کیا گود میں اٹھا کر لے چلنے کا ارادہ ہے۔'' فریدی نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں......!'' خان یوسف کے منہ سے بے اختیارانہ طور پر نکل گیا۔

''تو چلو...... میں چل رہا ہوں۔ تم خواہ مخواہ بدحواس ہو جاتے ہو۔ میری نیت صاف ہے اس لئے میں تم لوگوں سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔''

وہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اوپری منزل پر جانے کے لئے زینے طے کر رہے تھے اوپر پہنچ کر انہیں پھر زینے طے کرنے پڑے وہ ایک کشادہ بُرج تھا اوپر پہنچ کر فریدی نے خانم کو دیکھا جو ایک سوراخ سے باہر فائر کر رہی تھی اس کے ساتھ پانچ آدمی اور بھی تھے۔

فریدی کو دیکھ کر اس نے رائفل رکھ دی اور اسے قہر آلود نظروں سے گھور کر بولی۔

''اب مجھے دیکھنا ہے کہ تم کس طرح ان لوگوں کی مدد کرتے ہو۔''

''میں......شاید مرتے دم تک آپ کی غلط فہمی نہ رفع کر سکوں۔''

''یوسف خان......!'' خانم نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ''چار آدمیوں سے کہو کہ اُسے جھولے دے کر حملہ آوروں کی طرف اچھال دیں۔''

''چار کیا شاید دس آدمیوں سے بھی یہ نہ ہو سکے۔'' فریدی غرایا۔ ''آپ خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہی ہیں۔''

فریدی کی بے باکی خانم اور اس کے مشیر یوسف کو بہت گراں گذری تھی۔ خان یوسف نے پاس کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا اور وہ فریدی کی طرف بڑھے۔

''اچھا اب جو کچھ بھی ہوگا اس کی ذمہ داری خود تم لوگوں پر ہوگی۔'' فریدی اپنی جگہ سے ہٹے

بغیر بولا اور جیسے ہی وہ دونوں آدمی اس کے قریب پہنچے اس نے بڑی پھرتی سے ان کے ہولسٹروں پر ہاتھ ڈال دیئے۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ خود ہی دونوں کچھ نہ سمجھ سکے۔ ویسے اب وہ زینوں کے قریب پڑے ہوئے تھے اور ان کے ریوالور فریدی کے دونوں ہاتھوں میں تھے جن میں ایک کا رخ خانم کی طرف تھا اور دوسرے کا خود ان دونوں کی طرف۔

''میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔'' فریدی نے گرج کر کہا۔ ''اپنی رائفلیں چھوڑ کر ہٹ جاؤ۔ ورنہ میں خانم کو گولی ماردوں گا۔ نہیں خان یوسف تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔ اگر میں تم لوگوں کا دشمن ہوں تو سمجھ لو کہ تمہاری شکست ہوگئی۔''

بُرج میں موت کی سی خاموشی چھاگئی۔ پانچوں آدمی رائفلیں چھوڑ کر کھڑے ہوگئے۔

''خانم کیا آپ اب بھی زندگی کی توقع رکھتی ہیں۔'' فریدی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

خانم کچھ نہ بولی۔ وہ بھی رائفل چھوڑ کر ہٹ آئی تھی۔

دفعتاً فریدی نے دونوں ریوالور زمین پر ڈال دیئے اور مسکراتا ہوا بولا۔

''اب اپنا کام جاری رکھئے اور اگر آپ ایک بے گناہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنا ہی چاہتی ہیں تو انہیں حکم دیجئے میرا جسم چھلنی کردیں۔''

اُن میں سے ہر ایک بت بنا کھڑا رہا۔ نیچے خانم کے آدمیوں نے مورچہ سنبھال رکھا تھا۔ برابر گولیاں چل رہی تھیں۔

''وقت نہ برباد کیجئے۔'' فریدی نے رائفلوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ پانچوں پھر اپنی جگہ واپس آکر فائر کرنے لگے۔ دشمن سامنے والی چٹانوں کی اوٹ سے فائر کررہے تھے۔ لیکن شائد ان میں بھی پیش قدمی کی ہمت نہیں تھی۔

''مجھے افسوس ہے مہمان۔'' خانم آہستہ سے بڑبڑائی۔ اس کی آنکھوں میں خجالت تھی اور چہرے پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئی تھیں۔ خان یوسف اس طرح منہ پھاڑے کھڑا تھا جیسے جسم سے جان نکلتے وقت منہ بند کرنے کی بھی مہلت نہ ملی ہو۔

''تمہارے ذخیرے میں دستی بم نہیں ہیں۔'' فریدی نے اس سے پوچھا۔

''نہیں......!'' خان یوسف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''بارود ہے......صرف چار تھیلے......میں انہیں ابھی پسپا کئے دیتا ہوں۔''

''بارود سے کیا ہوگا۔'' خان یوسف نے پوچھا۔

''بس دیکھتے جاؤ کہ کیا ہوتا ہے۔'' فریدی بولا۔

خان یوسف نے ان دونوں سے بارود کے چار تھیلوں کیلئے کہا اور وہ زینے طے کرتے ہوئے نیچے چلے گئے۔

''ذرا آپ ایک کارتوس دیجئے۔'' فریدی نے خانم سے کہا۔

خانم نے اپنی پیٹی سے ایک کارتوس نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

نہ جانے کیوں اب وہ فریدی سے آنکھیں نہیں ملا رہی تھی۔

فریدی نے کارتوس لے کر دیکھا اور پھر اُسے واپس کرتا ہوا بولا۔ ''نہیں یہ کارآمد نہیں ثابت ہوگا۔ وہ دیکھئے جب میں آپ کو بیہوش ملا ہوں گا اس وقت میرے جسم پر کارتوسوں کی دو پیٹیاں رہی ہوں گے۔''

''تھیں شائد......!'' خان یوسف بولا۔

''ان میں سے مجھے صرف چار کارتوس منگوادو۔''

''ان کے لئے شاید مجھے ہی جانا پڑے گا۔''

''تو پھر دیر نہ کرو خان۔ میرا خیال ہے کہ اب وہ لوگ پیش قدمی پر آمادہ ہیں۔''

''تم کیا جانو......!'' خانم مڑ کر بولی۔ ''تم تو وہاں کھڑے ہو۔''

''میرا تجربہ...... آپ کے آدمی سست پڑ رہے ہیں۔ ادھر وہی زور شور ہے۔''

پھر اُس نے یوسف خان سے دوبارہ کہا۔ ''جلدی کرو۔''

یوسف خان نیچے چلا گیا۔ خانم پھر مڑ کر فائر کرنے لگی۔ اس کے پانچوں آدمی برابر فائر کئے جارہے تھے۔

''بارود کیا کرو گے تم......!'' خانم نے پھر مڑ کر کہا۔

''آجانے دیجئے...... آپ خود دیکھ لیں گی۔ ویسے کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق آپ نے مجھے بتایا تھا۔''

''نہیں...... یہ ہمارے خراج گذار تھے۔ باغی ہوگئے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ خان کی عدم موجودگی میں خانم کو زیر کرلیں گے۔ حالانکہ ہر کراغالی خان ہی کی طرح دلیر ہے۔''

''انہوں نے پیش قدمی کی ہے۔ چڑھ کر آئے ہیں اس لئے انہیں ضرور سزا ملنی چاہئے۔''

اتنے میں وہ دونوں آدمی واپس آ گئے اور ان کے ساتھ بارود کے چار بڑے بڑے تھیلے تھے۔

فریدی نے بارود کی دشت کی اور سر ہلا کر بولا۔

''ان تھیلوں کو نیچے والی چھت پر لے چلو...... اب تک خان یوسف واپس نہیں آئے۔ ایک سیٹی بھی چاہئے خانم۔''

خانم حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''بگل مل سکے گا۔ میرے سپاہیوں کے سیٹی نہیں ہوتی۔''

''خیر بگل ہی سہی۔''

خانم کی آنکھوں میں پھر بے یقینی جھانکنے لگی تھی۔

دوسرے شعلے کا شکار

اس لڑکی کی گفتگو پر حمید کو بیساختہ کنور شمشاد یاد آ گیا۔ جس نے کہا تھا کہ اس کے مر جانے سے تنظیم نہیں مر سکتی۔ اس کے مرنے پر کوئی دوسرا ہی اس کی جگہ لے لے گا۔ یقیناً یہ وہی لوگ ہیں اور اب ان پر کوئی عورت حکومت کر رہی تھی اور یہ اس سے واقف نہیں ہیں۔

دربار میں اس کی آواز یقینی طور پر کوئی مشینی کارنامہ تھا۔ کنور شمشاد نے بھی اپنے مکان میں بیٹھے ہی بیٹھے فریدی کو نہ جانے کہاں کہاں سیر کرائی تھی۔ تو وہ ''طاقت'' تھی۔ ''طاقت'' کو ''ملکہ کائنات'' کہنا بڑا فلسفیانہ خیال ہے۔ شاید یہ عورت کنور شمشاد سے بھی زیادہ چالاک ہے۔ نہ صرف چالاک بلکہ مغرور بھی کیونکہ اس نے دربار میں نہ تو اُسے مخاطب کیا تھا اور نہ اس کے متعلق کسی سے کچھ پوچھا۔ گویا اس کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ جب اہمیت نہیں تھی تو پھر انہیں پکڑنے کی کوشش کیوں کی گئی تھی۔

حمید سوچتا رہا۔ سامنے والے کٹہرے کی لڑکی اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ”آپ کون ہیں اور یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔“

”میں ایک مصور ہوں۔ ان کے ایک آدمی نے مجھ سے اپنی تصویر بنوائی تھی۔ جب تصویر مکمل ہوگئی تو مجھ سے کہا گیا کہ اس میں ایک دم لگادو۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ پھر مجھے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ اب جو آنکھ کھلی تو یہاں کھلی۔ مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ دم کی فرمائش پر میں ہنسا کیوں تھا۔ میں کہتا ہوں کیا وہ ایک مضحکہ خیز فرمائش نہیں تھی۔ اس پر یہ لوگ خفا ہوتے ہیں مجھ سے کہتے ہیں کہ میں ہی ثابت کروں کہ وہ ایک مضحکہ خیز فرمائش نہیں تھی۔“

لڑکی حیرت سے منہ کھولے سنتی رہی پھر بولی۔ ”کیا یہ پاگلوں کا گروہ ہے۔“

”تم نے اُس بچے کی گفتگو سنی تھی۔“

”سنی تھی...... میرا خیال ہے کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی بھی روانی سے ایسے موضوع پر نہیں بول سکتا۔“

”پھر بھی تم انہیں پاگل سمجھتی ہو۔“

”خدا جانے کیا جنجال ہے۔“

”کچھ بھی ہو لیکن اس جنجال سے نکلنا چاہیئے۔“

”کیسے نکل سکیں گے۔“ لڑکی مایوسانہ انداز میں بولی۔

”تم کچھ کر سکتی ہو...... بہت کچھ......!“

”میں کیا کر سکتی ہوں...... بتایئے۔“

”صبح جو آدمی آیا تھا...... غالباً اس کی پیٹی سے لٹکا ہوا لچھا انہیں کنجیوں کا تھا۔“

”ہاں تو پھر......!“

”تم اسے کسی طرح......!“

”نہیں جناب......!“ وہ جلدی سے بول پڑی۔ ”یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ میں اس کٹہرے میں مر جانا پسند کروں گی۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ اس سلسلے میں اب اور کچھ کہنا بیکار ہی تھا۔ ویسے بھی وہ تجویز فضول ہی تھی۔ اگر وہ کٹہرے سے نکل بھی جاتا تب بھی کیا ہوتا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ بیرونی دنیا تک اس کی رسائی

ہو ہی جاتی۔

لڑکی اس طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی تھی۔ یہاں پھر سناٹا ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی کسی کے چھینکنے یا کھانسنے کی آواز آتی اور پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہو جاتا۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ کم از کم حمید نے کسی کو بھی کسی دوسرے کو مخاطب کرتے نہیں دیکھا تھا۔

حمید بھی تھوڑی دیر بعد اونگھنے لگا۔ اس کے قریب بہت سے پھل پڑے ہوئے تھے لیکن اس نے انہیں چھوا بھی نہیں۔ بھوک بہت شدت سے لگی ہوئی تھی لیکن کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ وہ اونگھتا رہا اور اسی دوران میں وہاں تین آدمی آئے۔ ایک حمید کے کٹہرے کا قفل کھولنے لگا...... وہ چونک پڑا اور ان آدمیوں کو دیکھتے ہی اسے یاد آ گیا کہ وہ پاگل ہے۔

"ڈرائیور سے کہو گیراج سے کار نکالے۔" اس نے اس آدمی سے کہا، جو کٹہرے کا قفل کھول رہا تھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسرے آدمی نے حمید سے کہا۔

"باہر نکلو......!"

"میں اڑ جاؤں گا۔" حمید نے جواب دیا۔ وہ پیچھے کی طرف کھسک گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کٹہرے سے نکلنے پر آمادہ نہ ہو۔

"باہر نکلو ورنہ ہم تمہیں بجلی کے ہنٹر سے ماریں گے۔"

"نہیں بھائی صاحب......ایسا نہ کرنا......میں ایڈورڈ ہشتم ہوں۔"

"تم ملکہ وکٹوریہ ہو......مگر باہر نکل آؤ۔"

"میں ملکہ کائنات کا سالا ہوں...... باہر نہیں نکلوں گا۔ ورنہ تم لوگ مجھے ذبح کر کے کھا جاؤ گے۔ ہرگز نہیں نکلوں گا۔"

انہوں نے اسے کھینچ کر باہر نکال لیا اور وہاں سے نکل کر ایک طرف چل پڑے۔ حمید کو ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ آسمان کے نیچے چل رہا ہو کیونکہ راستے میں پھیلی ہوئی روشنی دھوپ سے بہت مشابہ تھی۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ وہاں کے آسمان کی اونچائی فرش سے زیادہ سے زیادہ بیس فٹ رہی ہو۔

یہ تھی تو ٹیوب ہی کی روشنی لیکن اس میں دھوپ کی سی قابل برداشت تمازت بھی تھی۔ وہ چلتے

رہے۔ حتیٰ کہ ایک بڑے کمرے میں پہنچے۔ شائد یہ ڈسپنسری تھی کیونکہ یہاں چاروں طرف الماریوں اور دواؤں کی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔

یہاں حمید کو ایک انجکشن دیا گیا اور وہ لوگ اسے ساتھ لے کر پھر چل پڑے۔ حمید کو اس عظیم الشان تہہ خانے پر حیرت ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں اس میں کتنا پھیلاؤ تھا۔ حمید اندازہ نہ کر سکا۔ کئی جگہ اب بھی پتھر تراشنے کا کام ہو رہا تھا۔ اس نے کئی نامکمل کمرے بھی دیکھے تھے لیکن طریقہ کار بھی انوکھا اور کم وقت لینے والا تھا۔ ایک عجیب و غریب مشین جو پتھر کو اس طرح تراشتی چلی جاتی جیسے موم کے ڈھیر سے تار گذرتا چلا جائے۔ اس کی شکل زمین کھودنے اور برابر کرنے والی آہنی گاڑی کی سی تھی۔ لیکن اس میں لگا ہوا طویل اور دھار دار پھل انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ جب وہ پتھر پر لگتا تو آگ کی سرخی میں تبدیلی ہو جاتی اور پھر وہ پتھر میں دھنستا چلا جاتا۔

حمید کو پھر اسی تجربہ گاہ میں لایا گیا جہاں اس کی ذہنی حالت کی جانچ پڑتال ہوئی تھی۔ وہاں اُسے وہ بوڑھا انجینئر بھی نظر آیا جس نے اس کے ساتھ عجیب و غریب برتاؤ کیا تھا۔

''کیوں کیا حال ہے۔'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔ جواب میں حمید نے اُسے منہ چڑھا دیا۔ اب تو اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا کہ اپنا پاگل پن کس طرح برقرار رکھے۔ بھوک نے اس کا دماغ ٹھکانے کر دیا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' بوڑھے نے دوسرے آدمیوں سے کہا جو اپنے کام چھوڑ کر حمید کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ''کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کب تک ٹھیک ہو سکے گا یا پھر اب اگر یہ کسی ایسے واقعے سے دوچار ہو جو پچھلے واقعات سے زیادہ تکلیف دہ اور حیرت انگیز ہو تب ممکن ہے کہ اس کی پچھلی ذہنی حالت واپس آ جائے۔''

اس کے بعد ایک بار پھر حمید کو مشینی امتحانات سے گذرنا پڑا۔ وہ اور بوڑھا مشینوں والے کمرے میں تنہا تھے۔

بوڑھے نے آہستہ سے کہا۔ ''تم نے بہت اچھا کیا کہ پاگل پن برقرار رکھا۔ پچھلی رات ایک مجبوری تھی جو پھر کبھی بتاؤں گا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمہیں کم سے کم تکلیف ہو۔ لیکن پاگل پن میں اعتدال ضروری ہے۔ مار پیٹ وغیرہ سے بچنا ورنہ ہو سکتا ہے کہ پھر اسی کٹہرے میں بھیج دیئے جاؤ گے۔''

''اور اگر اس دوران میں میں سچ مچ پاگل ہو گیا تو۔''

''نہیں تم اتنے کمزور دماغ کے نہیں ہو۔'' بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔

''آخر تم مجھ پر مہربان کیوں ہو گئے ہو۔''

''میں اس تنظیم کو آگے بڑھتے نہیں دیکھ سکتا۔''

''پھر اس کے لئے کام کیوں کر رہے ہو۔''

''مجبوری......تم نہیں سمجھ سکتے۔ پھر بتاؤں گا۔ اطمینان سے......اچھا بس۔''

وہ اسے ساتھ لے کر تجربہ گاہ میں واپس آ گیا اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر ان آدمیوں میں سے ایک کو دیا، جو حمید کو یہاں لائے تھے۔

وہ پھر باہر نکل کر ایک طرف چلنے لگے۔

بہر حال حمید کو دوبارہ کٹہرے میں نہیں لے جایا گیا۔ اس بار اسے ایک ایسا کمرہ ملا جس کی ایک دیوار میں جیل کے کمرے کی سی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک مسہری ایک میز اور ایک کرسی تھی۔ کمرے سے ملا ہوا ایک غسل خانہ تھا۔ حمید مسہری پر گر گیا اور اس طرح گھوڑے بیچ کر سویا جیسے کئی راتوں سے سونا نصیب نہ ہوا تھا۔

پھر اُس کی آنکھ شاید کسی کے جگانے ہی پر کھلی۔ وہ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ اُسے سامنے وہی لڑکی نظر آئی جس سے بوڑھے کے کمرے میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے چائے کی بو بھی محسوس کی۔ بھوک نے اس کی قوت شامہ کو چمکا دیا تھا۔ میز پر ناشتے کی کشتی رکھی ہوئی دکھائی دی۔ حمید زبردستی مسکرایا اور پھر بڑے سعادت مندانہ انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔ ''میں نے کئی ہزار گھنٹوں سے تمباکو نہیں پیا......میرا دم اکھڑ رہا ہے۔''

''سگریٹ......!'' لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں پائپ کا تمباکو...... پائپ میری جیب میں موجود ہے۔ مگر تمباکو کی پاؤچ کہیں گر گئی۔''

''لیکن تم پاگل ہو......اگر کہیں تم نے اپنے کپڑوں میں آگ لگا لی تو۔''

''اچھا تو کوئی ایسا تمباکو لا دو جسے پانی میں گھول کر پیا جا سکے۔ ورنہ میری موت واقع ہو جائے گی۔''

''فی الحال چائے پیو ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔''

''چائے کے بعد تو تمباکو کے بغیر میں سچ مچ پاگل ہو جاؤں گا۔تمہارا نام کیا ہے۔''

''رجنی......!''

''بہت واہیات نام ہے۔تمہارا نام تو ورجینا ہونا چاہئے تھا تاکہ اسی سے کچھ تسکین ہوتی۔''

''باتیں نہ بناؤ ورنہ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔''

''اچھا تو رجنی صرف ایک بات بتادو......پچھلی رات وہ بوڑھا مجھ سے یک بیک لپٹ کیوں پڑا تھا۔''

''اوہ......وہ تم نہیں جانتے۔ یہاں کے حالات سے واقف نہیں ہو۔ یہاں ایسی حیرت انگیز مشینیں موجود ہیں جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔''

اچانک رجنی کے وینٹی بیگ سے عجیب طرح کی آواز آئی اور وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

''چائے پیو۔'' اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔'' بکواس مت کرو......ورنہ اس بار اس سے بھی زیادہ اذیت دی جائے گی۔سمجھے......ان کٹہروں سے بھی زیادہ تکلیف دہ جگہیں یہاں موجود ہیں۔''

حمید حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھتا رہا اور اس نے باہر نکل کر دروازہ مقفل کر دیا۔

خان یوسف واپس آ گیا۔ اُس نے پوری پیٹی فریدی کی طرف بڑھا دی۔لیکن فریدی نے صرف چار کارتوس نکال کر پیٹی اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے چار تھیلے نچلی چھت پر بھجوا دیئے ہیں تم وہاں جا کر انہیں ان چٹانوں کی طرف پھینکو جہاں سے فائر ہو رہے ہیں۔لیکن جیسے وہ پھینکا جائے مجھے اس کی اطلاع ملنی چاہئے۔اس کے لئے تم بگل یا سیٹی سے کام لینا۔''

''کیا بات ہوئی۔'' خانم بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

''ابھی آپ دیکھ لیں گی۔''

''کیا دیکھ لیں گی۔''

''اچھا میری بات سنئے۔اپنے دو آدمیوں سے کہہ دیجئے کہ جیسے ہی آپ کی بارود ضائع ہو

مجھے گولی ماردیں۔ میں نہتا ہوں۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

خانم چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر خان یوسف سے بولی۔ "جاؤ......عمل کرو۔"

"ٹھہرو......" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ٹھیک دشمنوں کے سروں پر پھینکنا ورنہ اس کے ضائع ہوجانے کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔"

"خانم یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" خان یوسف نے جھنجھلا کر کہا۔

خانم کچھ نہیں بولی۔ خان یوسف کہتا رہا۔ "مگر بارود ان کے ہاتھ لگ گئی تو وہ اسے ہمارے ہی خلاف استعمال کریں گے۔"

"اگر بارود ان کے ہاتھ لگ گئی تو میں خودکشی کرلوں گا۔" فریدی نے کہا۔

"جاؤ جو کچھ کہا جارہا ہے کرو۔" خانم بولی۔

خان یوسف نیچے چلا گیا۔ خانم پھر سوراخ سے دشمنوں کی طرف گولیاں چلانے لگی۔ فریدی نے اس سے کہا۔ "مجھے ایک رائفل بھی چاہیے۔"

خانم نے اپنی ہی رائفل اس کی طرف بڑھادی۔ فریدی نے اس کا میگزین الگ کر کے اپنے کارتوسوں میں سے ایک چڑھادیا۔

اتنے میں بگل کی آواز آئی۔ فریدی رائفل لے کر سوراخوں کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جیسے ہی پھینکا ہوا تھیلا چٹانوں کے اوپر پہنچا فریدی نے فائر کردیا۔ گولی تھیلے پر پڑی ایک زوردار آواز آئی اور تیز قسم کی روشنی کا جھماکا۔ دشمنوں پر گویا آگ برس گئی۔ دوسری طرف کی رائفلیں یک بیک خاموش ہوگئیں۔

"جاؤ......!" فریدی نے ایک آدمی سے کہا۔ "جلدی کرو......ان سے کہو کہ تھیلے برابر پھینکتے رہیں۔"

وہ اپنی رائفل چھوڑ کر دوڑتا ہوا نیچے چلا گیا۔

"کمال کردیا تم نے۔" خانم فریدی کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

فریدی پھر سوراخوں سے باہر دیکھنے لگا۔ دشمن کی رائفلیں اب بھی خاموش تھیں۔ شاید خوفزدہ ہوگئے تھے۔ فریدی نے پھر بگل کی آواز سنی اور پھر فائر کیا۔ آگ چٹانوں پر پھیل گئی۔ اس بار دشمن بھاگ کھڑے ہوئے۔ جیسے ہی وہ چٹانوں کی اوٹ سے نکل کر دوسری طرف بھاگے نیچے سے خانم کے

سپاہیوں نے باڑھ ماری۔ دو چار وہیں ڈھیر ہو گئے۔ بھاگنے والوں کا ساتھ نہ دے سکے۔

جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے خانم کے سپاہی برابر فائر کرتے رہے۔ ہر ہلے میں وہ چار کو گرا دیتے۔ پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر میدان صاف ہو گیا۔ خانم کی فوج بھاگنے والوں کا تعاقب کر رہی تھی۔

ایک گھنٹے کے بعد خانم کو اطلاع ملی بھاگنے والوں میں سے بہت کم دشمن اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔

فریدی اپنے کمرے میں واپس آ گیا تھا لیکن اب بھی اس کے کمرے کے سامنے پہرہ دار موجود تھے۔

رات کو فریدی کی طلبی ہوئی۔ خانم ہال میں تنہا تھی۔ فریدی احتراماً خفیف سا جھکا اور خانم کے اشارے پر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ہمیں افسوس ہے مہمان...... اپنے رویئے پر...... مگر ہم مجبور تھے۔''

''مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ کی جگہ میں ہوتا تو مجھے بھی یہی کرنا پڑتا۔''

''میں تمہارے متعلق سب کچھ جاننا چاہتی ہوں مگر اب مطمح نظر وہ نہیں جو پہلے تھا اور نہ جانے کیوں اب بھی مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھ چکی ہوں۔''

''آپ نے مجھے کہاں دیکھا ہوگا...... یہ ناممکن ہے۔ کیا آپ کبھی کراغال سے باہر گئی ہیں۔''

''کبھی نہیں۔''

''پھر یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ میں نے اس سے پہلے کبھی وادی کراغال میں قدم نہیں رکھا۔ ہاں اب میں آپ کو اپنے متعلق بتا سکتا ہوں۔ میں بلاشبہ اپنی حکومت کا جاسوس ہوں لیکن وادی کراغال سے مجھے یا میری حکومت کو کوئی سروکار نہیں۔ یہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ میں یہاں آ پہنچا۔ حقیقتاً میرے شکار وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ آپ نے کیا تھا۔ وہی عجیب و غریب سیٹیوں والے۔''

''تو پھر ہمارا خیال غلط نہیں تھا کہ تم جاسوس ہو۔'' خانم مسکرائی۔

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''اب آپ مجھے اپنے متعلق کچھ بتایئے۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟'' خانم نے پوچھا۔

''احمد کمال۔''

''ہمارے ہم مذہب بھی ہو۔'' خانم نے کہا۔

''خانم......آپ مجھے صرف ایک بات بتا دیجئے۔''

''ہاں پوچھو......!''

''اس دن آپ کوئلے کے مجسموں کے تذکرے پر پریشان ہوگئی تھیں۔''

خانم کا چہرہ پھر اتر گیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ ''میں ایک بہت بڑی الجھن میں پڑ گئی ہوں۔ اگر تم کوئلے کے مجسموں کا تذکرہ نہ کرتے تو......!''

خانم خاموش ہوگئی۔ فریدی غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''آؤ......اٹھو......میرے ساتھ آؤ۔ اس تذکرے پر میری زبان میں اتنی قوت نہیں رہ جاتی کہ زیادہ دیر گفتگو کر سکوں۔''

فریدی اٹھ گیا۔ خانم باہر نکلی۔ سنتریوں نے اُس کے ساتھ ہونا چاہا لیکن اس نے انہیں وہیں ٹھہرنے کو کہا۔ وہ دونوں چلتے رہے۔ خانم فریدی سے کہہ رہی تھی۔

''لیکن یہ ایک راز ہے اور تم اسے اپنے ہی تک محدود رکھو گے۔ اس کا ظاہر ہو جانا کراغال کی لئے تباہ کن ثابت ہوگا۔''

''لیکن ٹھہرئیے......کیا یہ اُسی مجسمے کے متعلق ہے۔''

''ہاں اور میں اپنے دل پر سے یہ بار بھی ہٹانا چاہتی ہوں۔ تم دانش مند ہو مجھے کوئی مشورہ دو گے۔''

''میں ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔''

خانم چلتی رہی۔ محل بہت وسیع تھا۔ تقریباً میل کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ محل سے زیادہ اُسے ایک مستحکم قلعہ کہنا چاہئے۔ حکومت کراغال کی پوری فوج یہیں رہتی تھی۔ معززین اور عمائدین کی رہائش گاہیں بھی یہیں تھیں۔

لیکن اس وقت فریدی کو زیادہ نہیں چلنا پڑا۔ خانم نے ایک جگہ رک کر ایک دروازے کے قفل میں کنجی لگائی دروازہ کھلا......اندر اندھیرا تھا......مگر فضا ایک تیز قسم کی خوشبو سے بوجھل معلوم ہو رہی تھی۔

خانم نے دو تین کافوری شمعیں روشن کر کے دروازہ بند کر دیا۔

یہ کسی کی خواب گاہ تھی۔ بہت شاندار...... شاہانہ انداز میں بجی ہوئی۔

''یہ کراغال کے خان میرے شوہر کی خواب گاہ ہے۔'' خانم نے کہا۔ چند لمحے خاموش کھڑی ہانپتی رہی پھر بولی۔ ''یہیں مجھے کوئلے کا وہ مجسمہ ملا جو خان سے مشابہت رکھتا تھا بلکہ ہو بہو خان کی تصویر تھا۔''

''اوہ......!'' فریدی حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا۔

خانم اس طرح ہانپ رہی تھی جیسے ایک بڑی چڑھائی چڑھ کر یہاں تک پہنچی ہو۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ''پہلے میں یہ سمجھی تھی کہ شائد خان نے مجھ سے مذاق کیا ہے۔ وہ اکثر اسی طرح پراسرار طریقے پر غائب ہوجاتے تھے۔ عرصے تک غائب رہتے اور پھر واپس آجاتے۔ سارے کراغالی اس بات کو جانتے ہیں لہٰذا آج کل بھی وہ یہی سمجھتے ہیں کہ خان ان کے لئے چائے، استرے، کپڑے اور تمبا کو مہیا کرنے گئے ہیں۔ میں نے اس مجسمے کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا۔ وہ یہیں کے تہہ خانے میں اس وقت بھی موجود ہے۔''

''کیا خان کا تعلق بیرونی دنیا سے بھی تھا۔''

''ہاں...... وہ بہت دانش مند آدمی تھے۔ ان کے ایجنٹ بہتیرے ممالک میں موجود ہیں، جو کراغال کے لئے اشیاء مہیا کر کے بھیجتے ہیں۔ مگر یہ نہیں بتا سکتی کہ وہ چیزیں کس راستے سے آتی ہیں۔ راستوں کا علم خان یا ان کے خصوصی آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں اور نہ میں یہی جانتی ہوں کہ وہ مخصوص آدمی کون ہیں۔''

''مجسمہ یہیں ملا تھا۔''

''ہاں......!''

''کس جگہ......!''

خانم نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہاں دیوار سے لگا کھڑا تھا۔''

فریدی نے سامنے نظر اٹھائی۔ ٹھیک اسی جگہ کے سامنے دیوار میں ایک کشادہ روشندان تھا۔

''خانم......!'' فریدی نے مغموم آواز میں کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ آپ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔''

''خدارا یہ نہ کہو...... مجھے یہ باور کرانے کی کوشش نہ کرو۔ کراغال تباہ ہوجائے گا۔''

''خانم میں اپنے پچھلے تجربات کی بناء پر یہ کہہ رہا ہوں۔ مگر کراغال کا مستقبل آپ کے رویہ پر منحصر ہے۔''

''تم بتاؤ...... میں کیا کروں۔''

''میں آپ کو بتاؤں گا، جو کچھ میرے امکان میں ہے اس سے کوتاہی نہ کروں گا۔ لیکن کیا میں اس مجسمے کو ایک نظر دیکھ سکتا ہوں۔''

''ہاں...... میں تمہیں دکھاؤں گی...... لیکن یہ چیز صرف تم تک محدود رہے گی۔''

''آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔''

خانم نے کمرے کے ایک حصے کا قالین الٹ دیا۔ پھر ایک طرف سے تختہ ہٹا کر موی شمع کی روشنی خلاء میں ڈالی۔ نیچے سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔

''ایک شمع اٹھالو۔'' خانم نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔

فریدی شمع اٹھا کر اس کے پیچھے چلنے لگا۔ زینے طے کر کے وہ ایک تہہ خانے میں پہنچے۔ فریدی کی نظر مجسمے پر پڑی جو بالکل برہنہ نہیں تھا۔ اس کے گرد ایک کپڑا لپیٹ دیا گیا تھا۔

وہاں ایک بوجھل سا سناٹا طاری رہا۔ دونوں کی سانسیں اس سکوت میں گونج رہی تھیں۔

''خانم......!'' فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ چہرہ مجھے کچھ جانا پہچانا سا معلوم ہو رہا ہے۔''

خانم نے اپنی مغموم آنکھیں فریدی کی طرف اٹھائیں۔ شمع کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ اس سرخ سی روشنی میں بڑی حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اب مجھے یاد آ گیا کہ میں نے تمہیں کہاں دیکھا تھا۔ خان کے البم میں تمہاری ایک تصویر موجود ہے...... خان کے ساتھ۔''

داستانیں

رجنی چلی گئی اور حمید گم سم بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر میز پر آیا جہاں چائے کی ٹرے رکھی ہوئی تھی۔ چائے پیتے وقت بھی رجنی کے رویہ پر غور کرتا رہا۔ یک بیک اس نے آنکھیں کیوں بدل لی تھیں۔ پھر اس کا ذہن اس آواز کی طرف منتقل ہو گیا جو اس کے وینٹی بیگ سے آئی تھی۔ بالکل ویسی ہی

آواز اُس رات بوڑھے کے کمرے میں بھی اس نے سنی تھی اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ اچانک اس کا رویہ بھی تبدیل ہو گیا تھا۔

حمید کو یہ چیز بڑی اہم معلوم ہوئی۔ وہ بہرحال فریدی کا شاگرد تھا جب سنجیدگی کے موڈ میں ہوتا تو ہمیشہ بہت دور کی کوڑی لاتا۔

ان دونوں کے اچانک بدلتے ہوئے رویئے کا یہی مطلب تھا کہ کوئی ان کے حال سے واقف ہونے کی کوشش کرتا ہے اور وہ دونوں آوازیں بھی ایسی ہی تھیں جیسے ٹرانسمیٹر کہیں کی آواز کیچ کرتے کرتے رہ جائے۔ حمید کو یاد آیا کہ کنور شمشاد نے فریدی کو گھر بیٹھے ٹیلی ویژن پر اپنے کارخانوں کی سیر کرائی تھی۔ ہوسکتا ہے یہاں بھی کوئی اسی قسم کی مشین موجود ہو جس پر کوئی اس زمین دوز دنیا کے حالات معلوم کرتا ہو۔ ہوسکتا ہے بوڑھے نے بھی کوئی چیز ایجاد کرلی ہو جو اسے اس سے باخبر کردیتی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اس کمرے میں پھیلی ہوئی عجیب وغریب روشنی یہاں کی فضا کو ٹیلی ویژن کے پردے پر منتقل کردیتی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ان چھتوں میں ٹیلی ویژن کے کیمرے بھی پوشیدہ ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی دیواروں میں آواز جذب کرنے کی مشینی صلاحیت بھی موجود ہو۔ حمید سوچتا رہا اور سوچتے سوچتے اس نے چائے دانی خالی کردی۔ چائے کے ساتھ کھانے کے لئے پیسٹریاں بھی موجود تھیں۔ پلیٹ بھی صاف ہوگئی لیکن اب اُسے تمباکو کی یاد بُری طرح ستا رہی تھی۔ اگر وہ ایک ہی پائپ کی تمباکو کہیں سے حاصل کرسکتا تو شاید...... شاید وہ نہ جانے کیا کرگذرتا۔

دفعتاً کمرے کا دروازہ پھر کھلا اور رجنی اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہونٹوں پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

''تم مجھے پاگل سمجھتے ہوگے کیپٹن۔''

''نہیں لڑکیاں پاگل نہیں ہوتیں۔ پاگل بنادیتی ہیں۔ چائے کا بہت بہت شکریہ۔ مگر تمباکو۔''

اس نے وینٹی بیگ سے چمڑے کی ایک پاؤچ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''احتیاط سے خرچ کرنا۔ آج کل پرنس ہنری کا تمباکو مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔''

''ہائیں تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں پرنس ہنری کا تمباکو پیتا ہوں۔''

''ہم کیا نہیں جانتے۔''

''کیا اس بار تمہارے وینٹی بیگ میں وہ چیز نہیں ہے جو تمہیں بروقت ہوشیار کردیتی ہے۔''

''اوہ......تم کیا جانو۔''

''میں کیا نہیں جانتا۔''

''اچھا بدلہ لیا تم نے......'' رجنی ہنسنے لگی۔

''میں بدلہ ضرور لیتا ہوں۔''

''کیا تم یہ بھی جانتے ہو کہ تم کن لوگوں میں ہو۔''

''ہاں......شاید میں طاقت والی تنظیم کے چکر میں آپڑا ہوں۔''

''یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔'' رجنی کی آواز میں حیرت تھی۔

''میں اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں......کہو تو یہ بھی بتا دوں کہ آج کل ان پر ایک عورت حکمران ہے۔''

''تم تو سب کچھ جانتے ہو۔''

''اور میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کوئی روح نہیں ہے اس کا دربار ایک فراڈ ہے۔تخت شاہی وغیرہ میں مائیکروفون فٹ ہیں جن سے اس کی آواز نشر ہوتی ہے۔''

''لیکن تم یہ نہ جانتے ہو گے کہ یہاں کیوں لائے گئے ہو۔''

''میں نہیں جانتا اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہاں مجھے بہت آرام ہے۔تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کے ہاتھوں سے چائے نصیب ہوتی ہے۔ غالباً کھانا بھی تمہیں کھلاؤ گی۔عرصہ سے مجھے ایک ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو میری دیکھ بھال کر سکے۔ اب میں اپنی بقیہ زندگی اگر زندہ رہ گیا تو یہیں اسی زمین دوز دنیا میں بسر کروں گا۔ پاگل بننے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔''

''مگر تمہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔''

''تب تو یہ لوگ بڑے کمینے ہیں۔ پھر آخر مجھے اس طرح پکڑنے کے سلسلے میں اتنے آدمیوں کی جانیں ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

''یہاں جانوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سنو ان کی اسکیم یہ ہے کہ وہ کھل کر حکومت کے سامنے آجائیں۔ دراصل وہ اپنی قوت آزمانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہیں چھوڑ دیں گے۔ مگر اس طرح کہ تم اپنی حکومت کے لئے وبال جان بن جاؤ گے۔ موجودہ حکمران ملکہ کائنات پچھلے حکمران سے زیادہ دانش مند ہے۔ وہ تمہاری حکومت کی مشینری ہی ٹھپ کر دینے کے درپے ہے۔ سائنٹیفک طور پر

حکومت کے ذمہ دار آدمیوں کی ذہنیتیں تبدیل کردی جائیں گی اور وہ خود ہی حکومت کو بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دیں گے۔ پہلا تجربہ تم دونوں پر کیا جانے والا تھا مگر کرنل فریدی نکل گئے۔ اب صرف تم پر تجربہ کیا جائے گا اور تم یہاں سے نکال دیئے جاؤ گے۔''

''میں صحیح الدماغ ہی رہوں گا۔'' حمید نے پوچھا۔

''قطعی صحیح الدماغ لیکن تمہارے نظریات یکسر بدل جائیں گے۔ تم اب تک جن کے وفادار رہے ہو اُن سے بے وفائی کرو گے۔ ہوسکتا ہے کہ کرنل فریدی کو تمہارے ہی ہاتھوں موت نصیب ہو۔''

''پھر تمہاری ہمدردی کس کام آئے گی۔''

''یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے لیکن ہم اس کوشش میں ہیں کہ ملکہ کائنات کی تجویز بار آور نہ ہونے پائے۔''

''آخر کیوں...... تمہارے دماغ کیوں الٹ گئے ہیں کیا ان پر کوئی ایسا سائنٹیفک تجربہ نہیں کیا گیا۔''

''نہیں ان کی دانست میں ہم لوگ یونہی بے بس ہیں کبھی ان کے پنجوں سے رہائی نہیں پاسکتے۔ کچھ لوگ یہاں اپنی خوشی سے کام کررہے ہیں اور کچھ لوگوں سے زبردستی کام لیا جاتا ہے۔ یہاں ملک کے بہترین دماغ اکٹھا کئے گئے ہیں کچھ غیر ملکی بھی ہیں لیکن غیر ملکی زیادہ تر پروپیگنڈے کا شکار ہوکر اس طرف آئے ہیں۔ غیر ملکیوں میں جرمن نازیوں کی تعداد زیادہ ہے۔''

''ڈاکٹر زبیری کے متعلق کیا خیال ہے۔''

''وہ ایک بڑے سائنسدان ہیں۔ آئے تو تھے اپنی خوشی سے لیکن اب انہیں محسوس ہوا ہے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح اس تنظیم کا خاتمہ ہوجائے۔''

''پھر تم مجھے اس سکیم سے کس طرح بچاؤ گی۔''

''وہ تجربہ تم پر ڈاکٹر زبیری ہی کریں گے۔ مگر پہلے تمہیں کچھ دن یہاں آرام کرنا پڑے گا۔ آہستہ آہستہ تم صحیح الدماغ ہوتے جاؤ گے اور اپنے چہرے پر کچھ اس طرح کے تاثرات پیدا کرو گے جیسے بہت زیادہ خوفزدہ ہو۔ بہرحال یہ ایک لمبی چوڑی اسکیم ہے جس کے متعلق پھر کبھی بتایا جائے گا۔ اب مجھے جانے دو۔''

''اچھا صرف ایک بات اور بتادو...... میرے موٹے ساتھی کو یہاں کیوں لایا گیا ہے۔''

''کیا وہ بہت مالدار نہیں ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ اس وقت تک اس کا سارا بینک بیلنس صاف ہو چکا ہے۔ اب اسے چھوڑ دیا جائے گا تاکہ وہ پھر تنظیم کی خدمت کرنے کے لئے کچھ سرمایہ اکٹھا کر سکے۔ اس کا باپ بھی بڑا مالدار ہے کیا وہ اس کی مدد نہ کرے گا۔ تم خود سوچو کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ کیسے چل رہا ہے، روپے مہیا کرنے کے یہی ذرائع ہیں۔''

''اچھا رام گڈھ میں کوئی ادارہ روابط عامہ بھی ہے جس کا تعلق اسی تنظیم سے ہو۔''

''مجھے اس کا علم نہیں...... مگر روپیہ حاصل کرنے کے لئے یہ لوگ مجرمانہ طریقے اختیار کرتے ہیں...... یہ مجھے معلوم ہے۔''

''موٹا کب چھوڑ دیا جائے گا۔''

''بہت جلد...... لیکن اسے تمہارے ساتھ نہیں چھوڑا جائے گا۔ سنو یہ ایک طرح سے تمہاری حکومت کو تنظیم کی طرف سے کھلا ہوا چیلنج ہوگا۔ ظاہر ہے کہ موٹا پولیس کو ضرور اطلاع دے گا اور پولیس یہاں ان پہاڑوں میں سر بختی پھرے گی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ پولیس کو کامیابی ہوگی۔''

''میرا خیال ہے کہ پولیس مشکل میں پڑ جائے گی۔''

''بالکل ٹھیک......'' رجنی سر ہلا کر بولی۔ ''ایک بار ملکہ کائنات نے حکم دیا تھا کہ ہم سب مل کر باہر نکلنے کا راستہ تلاش کریں لیکن تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اڑتالیس گھنٹے سر مارنے کے باوجود بھی کامیابی نہ ہوئی۔ یہاں کے ذہین ترین آدمیوں کی کوششیں بھی بار آور نہ ہوئیں۔''

''کیا کوئی نہیں جانتا راستہ۔''

''صرف ایک آدمی جانتا ہے...... ہم اُسے بارن کے نام سے جانتے ہیں۔ وہی سیاہ ڈاڑھی والا جس نے تمہیں ڈاکٹر زبیری کے سپرد کیا تھا۔''

وہ خاموش ہوگئی۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ اس کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

فریدی حیرت سے خانم کو دیکھتا رہا۔ خانم بھی خاموش ہوگئی تھی۔ اس کے چہرے پر اضمحلال طاری تھا۔

''میری تصویر خان کے ساتھ کیسے ہوسکتی ہے۔'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''مگر ٹھہریئے۔ آپ شائد یہاں زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتیں۔ اس کے متعلق پھر گفتگو کریں گے۔''

وہ آگے بڑھ کر مجسمے کو دیکھنے لگا۔ خانم منہ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔ فریدی نے مجسمے پر سے کپڑا اٹھایا وہ بالکل برہنہ تھا۔ اس کی کمر میں چمڑے کی پٹی تھی اور پیروں میں جوتے۔ کچھ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اسے پھر کپڑے سے ڈھانک دیا۔

''چلئے...... واپس چلیں۔'' اس نے کہا۔ ''میں نے دیکھ لیا۔''

خانم خاموشی سے زینوں کی طرف مڑ گئی۔ وہ پھر خان کی خواب گاہ میں آ گئے۔

''اس مجسمے میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی تو نہیں کی گئی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''نہیں...... سوائے اس کے کہ اسے کپڑے سے ڈھانک دیا گیا ہے۔''

''خان نے آپ کو کبھی یہ بھی بتایا تھا کہ وہ کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔''

''کبھی نہیں...... وہ شروع ہی سے میرے لئے ایک پراسرار آدمی رہے ہیں۔ اپنی مصروفیات کے متعلق کبھی کچھ نہیں بتاتے تھے۔''

''ہوں......!'' فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

خانم نے اس کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''لندن میں تم اور خان ہم جماعت تھے۔''

''کیا......!'' فریدی چونک پڑا۔ ''اوہ اب مجھے یاد آ گیا۔ اوہو...... کیا خان عیسیٰ ہی کراغال کے خان تھے۔ مگر مجھے اس کا علم پہلے بھی نہیں تھا۔ انہوں نے شاید اپنا تعلق سرحدی صوبے سے ظاہر کیا تھا۔''

''خان بچپن ہی سے ایسے تھے۔ انہوں نے لندن میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اگر وہ خود کو کراغالی ظاہر کرتے تو شاید لندن تک ان کی رسائی بھی نہ ہوسکتی۔''

''تب تو مجھے خان عیسیٰ کے لئے ...... اوہ خانم مجھے بڑا افسوس ہے کہ ہماری ملاقات ان حالات میں ہوئی۔ بہرحال میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنی آخری سانسوں تک کراغال کی حفاظت کروں گا۔ میں اور عیسیٰ خان گہرے دوست تھے۔''

''تم کرنل فریدی ہو...... تم نے مجھے اپنا نام غلط بتایا تھا۔''

''نہیں میرا پورا نام احمد کمال فریدی ہے۔ میں نے غلط نہیں بتایا تھا۔''

''خان اکثر تمہارا تذکرہ کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ تمہاری حیثیت بین الاقوامی ہے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی پیشانی پر گہرے تفکر کی لکیریں تھیں۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''آخر ان لوگوں سے خان عیسٰی کا کیا تعلق۔ انہوں نے ان پر ہی اپنا حربہ کیوں آزمایا۔''

''میں خود یہی سوچ رہی تھی۔''

''اس کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ جب چاہیں نہایت آسانی سے محل میں داخل ہوسکتے ہیں۔ یعنی کسی کو کانوں کان خبر ہوئے بغیر۔''

''ہاں......اس صورت میں تو یہی کہا جاسکتا ہے۔''

فریدی نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن اس پر خوف کے آثار نہیں تھے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''خان چالاک آدمی تھے۔ اس لئے ختم کردیئے گئے۔ اس کا مقصد یہی ہوسکتا ہے کہ وہ جب چاہیں کراغال کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرسکیں۔''

فریدی نے پھر اس کے چہرے پر نظر ڈالی لیکن خانم کی آنکھوں سے صرف غم جھانک رہا تھا۔ اس میں تشویش یا خوف کے آثار نہیں تھے۔

''تو پھر اب مجھے خود کو بیوہ سمجھنا چاہئے۔'' اُس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

''میں کیا کہوں۔'' فریدی تشویش ناک لہجے میں بولا۔ ''لیکن خدارا......اسے ظاہر نہ کیجئے گا۔''

''میں سمجھتی ہوں...... یہ چیز کراغال کے لئے تباہ کن ہوگی۔ قرب و جوار کے قبائل چاروں طرف سے یورش کردیں گے۔ ویسے ان پر خان کی ہیبت طاری رہتی ہے۔''

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ خان اُن لوگوں کے کسی راز سے واقف ہوگئے تھے۔ اسی لئے انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا یا پھر دوسری ہی بات تھی۔ یعنی وہ کراغال کی باگ دوڑ کسی دانش مند آدمی کے ہاتھ میں نہیں دیکھنا چاہتے۔''

''وہ کچھ بھی ہو لیکن اس نقصان کی تلافی کیسے ہوگی۔ میں کیا کروں۔''

''صبر کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے خانم! ویسے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کسی عورت کی حکومت وادی کراغال کے خلاف ہے۔ اگر کسی کو خان کے متعلق شبہ بھی ہوا تو حکومت خان کے کسی بھائی

یا بھتیجے کی طرف منتقل ہو جائے گی۔"

"میں ہر وقت حکومت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں لیکن کراغال تباہ ہو جائے گا۔ یہ ظاہر کرنا ہی تباہی کو دعوت دینا ہوگا کہ کراغال سے خان کا سایہ اٹھ گیا۔ خان کا بھتیجا خان ضیغم اس قابل نہیں ہے کہ اسے کراغال کی باگ ڈور سونپی جا سکے۔ اُس کا اعلان ہوتے ہی بربادی ادھر کا رخ کر لے گی۔"

"بس تو پھر مصلحت اسی میں ہے کہ خان کا نام کم از کم اس وقت تک زندہ رکھا جائے جب تک کہ ان کے قاتل اپنی سزا کو نہ پہنچ لیں۔"

خانم کچھ نہ بولی۔ فریدی بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

بیک وقت دو خیال اس کے ذہن میں تھے یا تو خان اُن لوگوں کے کسی راز سے واقف ہو گیا تھا یا پھر ضیغم نے حکومت حاصل کرنے کے لئے ان کی مدد سے خان کو ختم کر دیا۔ اُسے وہ مجسمہ بھی یاد آ گیا جو اس نے رام گڈھ کی عمارت میں دیکھا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کا مجسمہ جس کی بارات دروازے پر کھڑی تھی۔ ایسے موقع پر اسے کیوں ختم کیا گیا۔ بظاہر وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ اس کی شادی کسی کو ناگوار گذری تھی۔

"اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔" خانم اٹھتی ہوئی بولی۔

فریدی بھی اٹھ گیا۔ لیکن اس دوران میں فریدی کی عقابی آنکھیں خان کی خوابگاہ کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔

قید خانہ

تین دن حمید آرام کرتا رہا لیکن ڈاکٹر زبیری کی ہدایت کے مطابق وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہوتا جا رہا تھا۔ ایک بار اُس ڈاڑھی والے سے بھی مڈبھیڑ ہوئی لیکن حمید نے اپنی کسی بھی حرکت سے پاگل

پن نہیں ظاہر کیا۔

"تم اب ٹھیک ہو۔" ڈاڑھی والے نے پوچھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں...... لیکن اگر مجھے اپنی گرفتاری کی وجہ نہ معلوم ہوئی تو شاید میں پھر ہوش وحواس کھو بیٹھوں۔"

ڈاڑھی والا جواباً مسکرایا تھا۔

"میں یہاں کیوں لایا گیا ہوں۔"

"کیا یہ زمین دوز دنیا تمہیں دلکش معلوم نہیں ہوتی۔"

"بہت دلکش ...... لیکن میں ایسی بے آسمان دنیا کے خواب سے بھی خوف کھاؤں گا۔"

"بہرحال تمہیں یہاں صرف اس لئے لایا گیا تھا کہ تمہاری معلومات میں ایک نیا اضافہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا۔"

"میں کن لوگوں میں ہوں...... یہ بھی جاننا چاہوں گا۔"

"تم آدمیوں ہی میں ہو...... غالباً اتنا بتا دینا کافی ہوگا۔"

"میں نے ملکہ کائنات کا دربار دیکھا تھا...... وہ خواب تھا یا حقیقت۔"

"سو فیصدی حقیقت......!"

"کیا ملکہ کائنات کوئی روح ہے۔"

"واحد روح جو کائنات کے ایک ایک ذرے میں جاری و ساری ہے۔ وہ روح جب ایٹم سے علیحدہ ہوتی ہے تو پورے پورے شہر آن واحد میں تباہ ہو جاتے ہیں۔"

"تم بڑی فلسفیانہ باتیں کر رہے ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں یہ تو کوئی خاص بات نہیں۔ میں نے ایک عام بات کہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ طاقت ہی ہے جو کائنات کے ذرے میں جاری و ساری ہے۔ ہم پر طاقت کی حکومت ہے۔ طاقت ہی ملکہ کائنات ہے۔"

"میرے خدا......!" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا تھا۔ "طاقت...... وہ...... وہ طاقت والی تنظیم۔"

"ہاں...... وہی۔" جواب ملا تھا۔ "ہمارا پچھلا حکمران ایک بیوقوف آدمی تھا جو ایک حقیر کیڑے

کے ہاتھوں فنا ہو گیا۔ اسے ضرورت ہی کیا تھی کہ خود تم لوگوں سے الجھنے کی کوشش کرتا۔ تمہارا خاتمہ تو تنظیم کا ایک کیچوا بھی کر سکتا تھا۔''

حمید اس کی گفتگو پر سراسیمہ ہو گیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی حالت سنبھل بھی گئی تھی۔ کیونکہ ڈاڑھی والے نے بڑے پیار سے اس کا شانہ تھپتھپا کر کہا تھا۔ ''پرواہ نہ کرو...... تم ہمارے لئے اس احمق حکمران سے زیادہ اہم ہو۔ ہو سکتا ہے کبھی ہمارا فلسفہ تمہاری سمجھ میں آ جائے اور تم ہماری تنظیم کے اعلیٰ رکن بن سکو۔''

اس کے بعد وہ مزید کچھ کہے بغیر چلا گیا تھا۔

پھر آج اچانک قاسم اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

''ہائیں...... حمید بھائی...... تم ابھی یہیں ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری چیک بک بھی آ گئی ہے۔''

''نہیں...... میں یہاں خیر سگالی کے مشن پر آیا تھا۔''

''یار اللہ قسم...... میں تو برباد ہو گیا۔ چھ لاکھ روپیہ۔''

''کیا مطلب......!''

''سب لے لیا سالوں نے۔'' قاسم ہنسنے لگا۔

''اگر تمہارے والد کو علم ہو گیا تو۔''

''یہاں سے واپس کون جاتا ہے حمید بھائی! مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ایک خوب تگڑی عورت مجھ سے محوبت کرنے لگی ہے۔ وہ کہتی ہے قاسم پیارے۔۔۔۔ میں مر جاؤں گی اگر تم چالے گائے۔''

قاسم اُس عورت کی نقل اتارنے کے سلسلے میں لچکنے لگا۔

''اور اگر زبردستی یہاں سے نکال دیئے گئے تو۔''

''کون نکالے گا زبردستی۔''

''تم گھاس کھا گئے ہو کیا...... اب تمہارے پاس کیا ہے کہ وہ تمہیں یہاں رکھیں گے۔''

''ارے جاؤ یار...... کیا باتیں کرتے ہو۔ روپیہ تو وہ تجارت میں لگائیں گے اور مجھے برابر منافع دیتے رہیں گے۔ میں کوئی اُلو ہوں۔''

''نہیں اُلو تو اتنا بھاری بھرکم نہیں ہوتا۔''

''دیکھو اگر تم میرا مذاق اڑاؤ گے تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''کیا کرو گے تم......!''

''تمہاری گردن مروڑ دوں گا ہاں......تم اپنے کو سمجھتے کیا ہو۔''

''میں کیپٹن حمید ہوں۔''

''ابے جاؤ کیپٹن حمید دیکھ لی سالی بہادری، چوہوں کی طرح پکڑ والیا ملکہ صاحبہ نے۔''

''کون ملکہ صاحبہ۔''

''وہ جو سارے عالم کی ملکہ ہیں......طاقت بیگم۔''

''کیا تم نے اسے دیکھا ہے۔''

''ابے......ادب سے نام لو......ورنہ منہ توڑ دوں گا۔''

''وہ تمہاری چچی لگتی ہے۔''

''ارے تم نہیں مانو گے۔'' قاسم گھونسہ تان کر حمید کی طرف جھپٹا۔ حمید ایک طرف ہٹ گیا۔ قاسم کا گھونسہ دیوار پر پڑا۔ وہ بلبلا کر پلٹا لیکن موٹاپے کی وجہ سے اس میں پھرتی نہیں تھی۔ حمید نے اسے نچا مارا اور پھر وہ زمین پر بیٹھ کر گدھوں کی طرح ہانپنے لگا۔ منہ سے زبان نکل پڑی۔

''کیوں......اب کہو تو چھرا مار کر تمہاری توند برابر کردوں۔'' حمید نے کہا۔

دفعتاً ایک موٹی سی عورت کمرے میں گھس آئی۔ اُسے دیکھتے ہی قاسم بوکھلا کر کھڑا ہوگیا اور اس طرح ہنسنے لگا جیسے وہ اُس سے یہاں کی موجودگی پر سختی سے جواب طلب کرے گی۔

''یہاں کیا کر رہے ہو ڈارلنگ۔'' اُس نے کسی پھوہڑ طوائف کی طرح لچک کر پوچھا۔

''ہاہا......کچھ نہیں...... یہ میرے دوست ہیں۔'' حمید نے قاسم کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں میں اس کا سرپرست ہوں۔'' قاسم جھلا گیا۔

''ان کی سرپرست تو میں ہوں جناب۔'' عورت نے کہا۔ پھر قاسم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کیوں ڈارلنگ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔''

''تم بالکل غلط کہہ رہی ہو۔'' حمید بولا۔ ''اس کی سرپرست تم نہیں ہوسکتیں کیونکہ یہ شادی شدہ ہے۔''

''اے......!'' قاسم شور مچانے والے انداز میں بولا۔ ''تم جھوٹ کیوں بولتے ہو۔''

''کیا یہ جھوٹ ہے کہ تم شادی شدہ ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''بالکل جھوٹ ہے...... قطعی جھوٹ ہے۔''

''کیوں خواہ مخواہ اس بھولی بھالی عورت کو دھوکا دے رہے ہو۔''

''ارے تم خود بھولے بھالے...... شٹ اپ۔'' قاسم ہونٹ بھینچ کر حمید کو گھونسہ دکھانے لگا۔

''البتہ میری شادی ابھی نہیں ہوئی۔'' حمید بولا۔ ''اسلئے اگر چاہو تو مجھے ڈارلنگ کہہ سکتی ہو۔''

عورت نے شرما کر سر جھکا لیا اور قاسم گھبرا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''مجھ سے محبت کرو گی تو فائدے میں رہو گی۔'' حمید نے کہا۔

''غمید بھائی۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ عورت حمید کے اس جملے پر اور زیادہ شرما کر دوہری ہو جانے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن چونکہ موٹی زیادہ تھی اس لئے اکہری ہی رہی۔

''حمید بھائی......!'' دفعتاً قاسم پاگلوں کی طرح حلق پھاڑ کر چیخا۔

''بولو...... کیا کہتی ہو۔'' حمید نے پھر اُسے مخاطب کیا۔

عورت نے سر اٹھا کر شرمیلی نظروں سے حمید کی طرف دیکھا...... اور پھر شرما کر سر جھکا لیا۔

''میں سب دیکھ رہا ہوں ہاں۔'' قاسم دہاڑا۔

''دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں...... دیکھتے رہو۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''مگر کسی سے کہنا نہیں۔''

''ارے غارت ہو جاؤ تم۔'' قاسم نے دانت پیس کر حمید پر چھلانگ لگائی اور حمید عورت کے قریب سے کترا کر نکل گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاسم کی نومن کی لاش عورت پر آپڑی اور دونوں چیختے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ عورت کے منہ سے گالیاں نکلیں اور اس کے دوہتھڑ قاسم کے سر پر پڑنے لگے۔ دونوں کے شور سے چھت اڑی جا رہی تھی۔ دونوں ہی زمین سے اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ حمید کمرے سے نکل گیا اب وہ آزادانہ طور پر جہاں چاہتا تھا جا سکتا تھا۔ رجنی نے اسے بتایا تھا کہ پالیسی یہ ہے کہ حمید پر اس تنظیم کا رعب پڑے اور وہ بیرونی دنیا پر جا کر بے بسوں کی طرح ہاتھ پیر مارے لیکن دوبارہ یہاں تک رسائی نہ ہو سکے۔ حکومت انہیں تلاش کرنے میں اپنا سارا زور صرف کر دے لیکن کامیابی نہ ہو۔ موجودہ حکمران کے خیال کے مطابق خطرات میں پڑے بغیر تنظیم آگے نہیں بڑھ سکتی۔

اور پھر حمید کو ابھی تو اس تجربے کا بھی انتظار تھا، جو اس پر کیا جانے والا تھا۔ ڈاکٹر زبیری سے ابھی تک اس کی تفصیلات نہیں معلوم ہو سکی تھیں۔ ویسے رجنی نے اسے اتنا ہی بتایا تھا کہ اُس تجربے کے بعد اس کے خیالات بدل جائیں گے اور وہ اپنے ہی آدمیوں کا دشمن ہو جائے گا۔ غالباً فریدی کو اس طرح شکست دینے کا خیال تھا۔

دوسری صبح خانم کے محل میں فریدی کی حیثیت بدل گئی تھی۔ سپاہی اسے احترام کی نظروں سے دیکھتے، عمائدین عزت کرتے اور خانم کا مشیر بوڑھا خان یوسف تو بچھا جارہا تھا۔ البتہ صرف ایک آدمی کی آنکھوں میں اب بھی فریدی کے لئے نفرت تھی اور یہ تھا کراغال کے خان کا بھیجا خان ضیغم۔ وہ ہر ایک سے یہی کہتا کہ اسے فریدی پر اعتماد نہیں ہے۔ وہ یقیناً کسی دشمن ملک کا جاسوس ہے اگر اس نے حملہ آوروں کو پسپا کرنے میں مدد دی تو اس میں نہ اس کا کوئی فائدہ تھا اور نہ نقصان۔ یہ تو اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ کراغالیوں کا اعتماد حاصل کر سکے۔

دوپہر کو خانم نے فریدی کو پھر طلب کیا۔ اس وقت بھی وہ کمرے میں تنہا تھی۔

''تم نے سنا...... ضیغم کیا پروپیگنڈا کر رہا ہے۔'' خانم نے پوچھا۔

''جی ہاں...... میں نے سنا ہے۔ لیکن آپ نے میرے نام کا اعلان تو نہیں کر دیا۔''

''نہیں...... مجھ سے ایسی حماقت سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہ چیز میرے لئے بھی باعث حیرت ہے کہ اُن لوگوں کی رسائی میرے محل میں کیسے ہوئی۔''

''یہ سوال حقیقتاً قابل غور ہے۔'' فریدی بولا۔ ''کیا آپ نے خان یوسف کو بھی میرے متعلق کچھ نہیں بتایا۔''

''ہرگز نہیں...... میرے علاوہ اور کوئی تمہارے نام سے واقف نہیں ہے۔''

''شکریہ...... اب میں دیکھوں گا کہ اس سازش کی پشت پر کون ہے۔ آپ آج شام کو یہ خبر مشہور کرا دیجئے گا کہ میں حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا ہوں۔''

''اس سے کیا ہوگا۔''

''میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ خان ضیغم کے مشاغل کس قسم کے ہیں۔''

''اوہو......اچھا......تم چھپ کر دیکھنا چاہتے ہو۔''

''جی ہاں یہی بات ہے۔''

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر خانم نے کہا۔''میں پچھلی رات سو نہیں سکی۔ میرے خدا...... یہ کیسی مجبوری ہے کہ میں سوگ بھی نہیں منا سکتی۔''

''آپ ایک دلیر خاتون ہیں اور دلیر ہستیاں سوگ منا کر انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں کیا کرتیں۔''

''ہاں......وہ آگ تو میرا وجود پھونکے دے رہی ہے۔''

''بس تو اب آپ کی آنکھوں میں اداسی بھی نہ ہونی چاہئے۔''

''میں ایک دلیر عورت بننے کی کوشش کروں گی۔ مگر کرنل......جسم کے اندر دل بھی ہوتا ہے۔''

''دل ہی میں دلیری بھی پرورش پاتی ہے۔ اس کا تعلق آسمانوں سے نہیں۔''

''تم مجھے بڑا سہارا دے رہے ہو۔ میں تمہاری شکر گذار ہوں۔''

''آپ خان عیسٰی کی بیوی ہیں جو لندن میں میرا بہترین دوست تھا۔ کاش میں آپ کے لئے کچھ کرسکوں۔''

''میری وجہ سے تمہیں تکلیف بھی پہنچی ہے۔''

''اس کے علاوہ نہیں کہ مجھے اڑتالیس گھنٹوں سے سگار نہیں ملا۔''

''تمباکو نوشی اچھی عادت نہیں ہے۔'' خانم کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

''زیادہ سوچنے والوں کے لئے بُری بھی نہیں ہے۔''

''سگار تمہیں جلدی ملیں گے۔ خان اپنی تمباکو کا ذخیرہ مجھ سے چھپائے رکھتے تھے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں تمہارے لئے سگار مہیا کرسکوں گی۔''

''ویسے اب مجھے باہر نکلنے کی اجازت بھی دیجئے تاکہ میں ان لوگوں کا پتہ لگاؤں جن کے ہاتھوں زخمی ہو کر یہاں پہنچا تھا۔''

''مگر تم مجھے ان حالات میں چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتے۔'' خانم نے مسکرا کر کہا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ کراغال سے زیادہ دور نہیں ہیں۔''

''مگر تم انہیں کہاں تلاش کرتے پھرو گے۔''

''تلاش تو محل ہی سے شروع ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ خان کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں کیا خان ضیغم فرشتہ ہیں۔''

''اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جب تک کہ مجھے اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل جائے۔ میرے خیالات اس کی طرف سے اچھے ہی رہیں گے۔''

فریدی کچھ نہیں بولا۔ وہ ضیغم ہی کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ اس نے اس کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں قائم کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ضیغم جیسے لوگ سب کچھ کر گذرنے پر تیار رہتے ہیں اور ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب یک بیک بدل جائیں گے۔

فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔''اچھا خانم ...... کیا اب مجھے محل سے باہر نکلنے کی اجازت مل سکے گی۔ مجھے اپنے ساتھی کیپٹن حمید کی خبر لینی ہے۔ پتہ نہیں وہ زندہ ہے یا حملہ آوروں کی نذر ہوگیا ہے۔''

''میں کیا بتاؤں۔ ضیغم کے رویہ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ڈر ہے کہ کہیں وہ اس سے کوئی نئی بات نہ پیدا کردے۔ کراغالی اجنبیوں اور بدیسیوں کو قطعی پسند نہیں کرتے۔ اُن کے خیالات تمہاری طرف سے کچھ بہتر ہوئے تھے کہ ضیغم نے انہیں دوسری بات سمجھانی شروع کردی۔ تم نے ان پر لاکھ احسان کیا لیکن اجنبیوں سے ان کی وحشت اپنی جگہ پر ہے۔ وہ صبح شام تمہاری پوجا کرسکتے ہیں لیکن تمہیں کراغال سے باہر نہیں جانے دیں گے۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ میں اب بھی قیدی ہوں۔'' فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' خانم کی آواز دردناک تھی۔''میں تمہیں نہیں روکنا چاہتی لیکن ضیغم تمہارے چلے جانے پر اسی بہانے کراغالیوں کو میرے خلاف اکسا سکتا ہے اور اگر خان کی موت میں ضیغم ہی کا ہاتھ ہے تو وہ ضرور ایسا کرے گا۔''

''میں سمجھتا ہوں...... مگر یہ بھی ضروری ہے، جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ میرے اور خان کے تعلقات نجی تھے۔ لیکن مجھ پر ایک حکومت کا ملازم ہونے کی حیثیت سے کچھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں اور وہ ذمہ داریاں نجی تعلقات سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔''

''پھر تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ میں تمہارا ہر مشورہ قبول کرنے کو تیار ہوں۔''

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''آپ کے یہاں کوئی باقاعدہ قسم کا جیل بھی ہے۔''

''ہے...... کیوں۔'' خانم نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''تو پھر...... مجھ پر کوئی سنگین الزام لگا کر قید کر دیجئے۔''

''ارے...... یہ کیوں۔''

''جیل خانے سے نکل جانا میرا کام ہوگا...... اور آپ پر کوئی الزام بھی نہ آسکے گا۔''

''آہا...... ٹھہرو...... مجھے سوچنے دو۔''

خانم خاموش ہوکر کچھ سوچنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''میں نے سوچ لیا۔ یہ تدبیر کافی کارگر رہے گی۔ خان کا ایک مخصوص جیل خانہ ہے جس کا علم یوں تو سارے کراغال کو ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ علاوہ تین ہستیوں کے...... خان جانتے تھے۔ میں جانتی ہوں اور بوڑھا خان یوسف۔ وہ جیل خانہ خطرناک قسم کے باغیوں کے لئے استعمال ہوتا آیا ہے۔ اس کا نام ہی سن کر لوگ کانپنے لگتے ہیں کیونکہ اس کے قیدی نے دوبارہ پھر کبھی آسمان نہیں دیکھا۔ وہ زیادہ دنوں تک زندہ ہی نہیں رہتا کیونکہ خورد ونوش کے لئے صرف تین دن کی رسد ساتھ کی جاتی ہے۔ میں تم پر کوئی الزام لگا کر تمہیں وہاں بھجوا دوں گی۔ پھر رات کو...... باہر۔''

''مناسب ہے مگر میں اس صورت میں......'' فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''کہو کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''کچھ نہیں...... ٹھیک ہے۔''

پھر دونوں میں آہستہ آہستہ گفتگو ہونے لگی۔ آواز سرگوشیوں سے زیادہ نہیں ابھری۔

اُسی رات کو فریدی جب محل کی ایک دیوار پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا خانم کے پہرے داروں نے اُسے پکڑ لیا۔ اس نے جدوجہد بھی نہیں کی کیونکہ یہ سب کچھ اسی کی اسکیم کے ماتحت ہو رہا تھا۔

پھر دوسری صبح وہ خانم کے مختصر سے دربار میں پیش کیا گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور اس کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔

''تم پچھلی رات کو کیا کرنا چاہتے تھے۔'' خانم نے گرج کر پوچھا۔

''مم...... میں کچھ نہیں۔ آپ کے پہرہ داروں کو غلط فہمی ہوئی تھی۔''

''ٹھیک ہے......تم پہرہ داروں کو جھٹلا سکتے ہو مجھے نہیں...... میں نے خود تمہیں دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔ اب تم پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ تم نے ایک بار ہماری مدد کی تھی مگر ظاہر ہے کہ اس مدد سے تمہارے کسی مقصد میں خلل آنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ تم جس حکومت کے جاسوس ہو اس کا نام ظاہر کرو۔''

''میں کسی حکومت کا جاسوس نہیں ہوں کس طرح یقین دلاؤں۔''

''خان یوسف......!'' دفعتاً خانم بوڑھے کی طرف مڑ کر بولی۔ ''یہ خان کے سیہ خانے کا قیدی ہے۔ اسے لے جاؤ۔''

سارے دربار میں سناٹا چھا گیا تھا۔ خان یوسف آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور رسی کا سرا پکڑتا ہوا فریدی سے بولا۔ ''چلو۔''

اس نے ہولسٹر سے ریوالور بھی نکال کر اس کی کمر سے لگا دیا تھا۔ فریدی مضمحل قدموں سے چلنے لگا۔

''یہ تمہیں کیا سوجھی تھی؟ کیا یہ اعزاز واکرام تمہیں گراں گذرتا تھا۔'' خان یوسف نے کہا۔

''یہ سراسر الزام ہے۔'' فریدی غرایا۔ ''تم لوگ احسان فراموش ہو۔ تم مجھے مار ڈالنا چاہتے ہو، مار ڈالو گے۔''

خان یوسف پھر کچھ نہیں بولا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک تنگ و تاریک سرنگ میں داخل ہو رہے تھے۔ یہاں قریب و دور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ حقیقتاً یہ کوئی خطرناک جگہ تھی۔

''پھر بھی۔'' خان یوسف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''نہ جانے کیوں مجھے تمہارے لئے افسوس ہے۔''

''افسوس ظاہر کرنے کا طریقہ بھی خوب ہے۔ میں جانتا ہوں کہ خان کا سیہ خانہ کوئی خطرناک جگہ ہوگی۔''

''ہاں......آج تمہیں صرف تین دن کی رسد ملے گی۔ ظاہر ہے کہ تمہاری بقیہ زندگی اس پر بسر ہونے سے رہی۔''

''خیر دیکھا جائے گا......'' فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا اور خاموش ہوگیا۔

خان یوسف نے ایک طرف اندھیرے میں اسے دھکا دیا۔ پھر فریدی نے دھاتوں کے بجنے

کی آواز سنی۔ شائد دروازہ کسی دھات کا تھا۔

پھر خان یوسف نے کہا۔ ’’ٹھہرو میں مشعل جلاتا ہوں اور تم اُس رسی سے خود پیچھا چھڑا سکو گے۔‘‘

فرار

کچھ دیر بعد وہاں مشعل کی سرخ روشنی پھیل گئی۔ خان یوسف کا چہرہ اس روشنی میں عجیب لگ رہا تھا۔

’’نہ جانے کیوں۔‘‘ وہ گلوگیر آواز میں بولا۔ ’’میرا دل نہیں چاہتا کہ تم اس طرح سسک کر مر جاؤ۔ مجھ پر تمہارا ایک احسان ہے..... مگر میں کیا کروں۔‘‘

’’مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی تم پر کوئی احسان کیا ہو۔‘‘

’’اس برج میں جب تم نے ہم پر ریوالور تانے تھے بڑی آسانی سے ہمارا خاتمہ کر سکتے تھے۔‘‘

’’جاؤ......!‘‘ فریدی جھلائے ہوئے انداز میں ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ’’میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگ سکتا۔‘‘

’’مانگو بھی تو میں بے بس ہوں۔‘‘ خان یوسف نے مایوسی سے کہا۔ ’’میں خانم سے غداری نہیں کر سکتا۔‘‘

فریدی نے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور خان یوسف بولا۔

’’وہ ادھر بائیں طرف ایک دھار دار تیغہ نصب ہے۔ اس سے اپنی رسیاں کاٹ ڈالو...... دیکھو میں حتی الامکان تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔ روزانہ تمہیں کم از کم اتنا کھانا ضرور پہنچے گا جس سے تم اپنی زندگی برقرار رکھ سکو۔‘‘

’’مجھے بھیک نہیں چاہئے۔ تم جا سکتے ہو۔ میں بھی پٹھان ہوں خان یوسف۔‘‘

’’میں تمہیں یہاں کے خطرات سے آگاہ کئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ دیکھو ادھر بائیں طرف ایک

گہری کھڈ ہے۔اس کی گہرائی کا آج تک کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکا۔ نیچے بہتا ہوا پانی ہے۔تم اس کی مدہم آواز سن رہے ہو گے۔ دریائے کراغال کی ایک شاخ یہاں زمین کے نیچے بہتی ہوئی نہ جانے کہاں جاتی ہے۔''

''تب تو پھر میں خود کو قیدی نہیں سمجھ سکتا۔ یہی میری راہ فرار ہو گی۔ خان یوسف......'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''میں اسے خودکشی کہوں گا'' خان یوسف نے کہا۔

فریدی دیوار سے نصب شدہ تیغے سے اپنی رسیاں کاٹ رہا تھا۔تھوڑی دیر بعد وہ آزاد ہو گیا اور خان یوسف کی طرف مڑ کر مسکراتا ہوا بولا۔''اچھا دوست......الوداع......میرے لئے یہی کافی ہے کہ تم اس ظلم پر مغموم ہو۔''

''دیکھو......جلد بازی اچھی چیز نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں خورد ونوش کا سامان ملتا رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ میں خانم کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''میں خانم جیسی احسان فراموش عورتوں کا احسان لینا پسند نہیں کروں گا۔اب تم جاؤ میں تنہائی چاہتا ہوں۔''

''خدا کی قسم تم عجیب ہو۔ میں نے ایسا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔تم کراغال کے خان سے بھی زیادہ پراسرار ہو۔''

اس دوران میں فریدی مشعل اٹھا کر اس کھڈ کا جائزہ لینے لگا۔ خان یوسف سلاخوں دار دروازے کی دوسری طرف کھڑا اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔کھڈ بہت گہری تھی۔اس کی تہہ تک مشعل کی روشنی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ البتہ فریدی پانی بہنے کی آواز صاف سن رہا تھا۔لیکن یہ آواز کافی گہرائی سے آرہی تھی۔ بہت ہی ہلکی آواز۔

''تم ایسا نہیں کرو گے لڑکے......میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔''

''اچھا نہیں کروں گا......اب تم خدا کے لئے جاؤ۔ میں تنہائی چاہتا ہوں۔''

خان یوسف چلا گیا۔فریدی کو اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ وہ ایک دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہتا۔ایک بار خان یوسف پھر آیا۔وہ خورد ونوش کے لئے چیزیں لایا تھا۔

فریدی نے اس سے بات بھی نہ کی۔آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ ویسے خان یوسف تسکین آمیز

باتیں کئے جارہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر واپس چلا گیا۔ فریدی رات کا منتظر تھا اور بار بار اپنی گھڑی کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

دن گذر گیا۔ پھر رات آئی لیکن وہاں تو دن بھر مشعل جلتی رہی تھی۔ لہٰذا اگر گھڑی نہ ہوتی تو دن کی تقسیم بھی مشکل ہو جاتی۔ بوڑھے خان یوسف نے حتی الامکان اس کے لئے آسانیاں بہم پہنچائی تھیں۔ وہ مشعلوں میں جلنے والے تیل کی کافی مقدار وہاں چھوڑ گیا تھا۔ ویسے فریدی کو وہاں گھٹن کا احساس تو ہوتا ہی رہا تھا مگر اب مشعل کے دھوئیں نے اسے قریب قریب ناقابل برداشت ہی بنا دیا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ مشعل نہیں بجھانا چاہتا تھا۔ معلوم نہیں کیوں؟

ٹھیک ڈیڑھ بجے رات کو خانم آئی۔ وہ سیاہ لباس میں تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا شکاری تھیلا تھا۔ اُس نے قید خانہ کا دروازہ کھولا اور اندر آ گئی۔ اس کے چہرے پر اداسی کے گہرے بادل تھے۔

''کیا تم تیار ہو۔'' اس نے مضمحل آواز میں پوچھا اور پھر بولی۔ ''اس تھیلے میں کراغالی لباس ہے۔ دو ریوالور...... کارتوس کچھ کھانے کا سامان...... لیکن میں دوبارہ بھی تم سے ملنے کی متمنی رہوں گی۔''

اُس کی آواز میں بڑا درد تھا۔ فریدی کھڑا ہو گیا۔ مشعل کی سرخ روشنی غار نما تہہ خانے میں پھیلی ہوئی تھی اور اس ماحول میں خانم ہزاروں سال پہلے کی کوئی عورت معلوم ہو رہی تھی۔ دلکش اور پراسرار...... فریدی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ صدیوں پہلے کی فضا میں سانس لے رہا ہو۔

''تم پھر آؤ گے کبھی۔'' خانم کی غم ناک مگر مترنم آواز پھر اس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ چونک پڑا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

''میں ضرور آؤں گا...... اب مجھ پر کراغال کی حفاظت بھی فرض ہو گئی ہے۔ میں اسے ان لوگوں کا پاکٹ نہیں بننے دوں گا۔''

''چلو...... میں تمہارے لئے بہت مضطرب رہوں گی۔ کیا تم اپنے چہرے میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔''

''کر سکتا ہوں مگر یہاں سامان کہاں ملے گا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''سامان موجود ہے...... خان کو بھیس بدلنے میں کمال حاصل تھا۔ اسی لئے وہ قرب و جوار

میں ہونے والی سازشوں سے باخبر رہتے تھے۔"

فریدی کو یاد آ گیا کہ زمانہ حصول علم میں اس نے جس اطالوی ایکٹر سے میک اپ کی ٹریننگ لی تھی اس سے خان عیسیٰ کے تعلقات بھی تھے۔ ہوسکتا ہے اس نے بھی یہ فن اُسی سے سیکھا ہو۔ وہ دونوں قید خانے سے باہر آ گئے۔ خانم نے دروازہ بند کر کے قفل میں کنجی گھمائی اور چلنے کے لئے مڑی۔ فریدی ہاتھ میں مشعل اٹھائے ہوئے تھا۔

"تم آج محل کے اس راز میں شریک ہونے جارہے ہو۔" خانم نے کہا۔ "جس سے کوئی چوتھا آدمی واقف نہیں تھا۔ میں تمہیں پوشیدہ سرنگوں سے باہر لے جاؤں گی۔ تم وہ تہہ خانہ دیکھو گے جسے خان اپنی خاص قسم کی مہمات کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان جگہوں سے میرے خان اور یوسف کے علاوہ کوئی واقف نہیں۔"

"میں شکر گذار ہوں خانم......!"

"تمہاری شکر گذاری کا اظہار دراصل تمہاری واپسی ہوگی۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے تم میرے خاندان ہی کے ایک فرد ہو۔ خان مرحوم تمہارا تذکرہ بڑے پیار سے کرتے تھے۔"

"میں آؤں گا خانم.....ضرورت پڑی تو خان عیسیٰ ہی کی شکل میں آؤں گا اور اس کی ضرورت پڑے گی ایک دن۔ میں جانتا ہوں میں نے خان کی خواب گاہ میں ایک ٹرانسمیٹر دیکھا تھا جرمن ساخت کا۔ اگر آپ اس کے استعمال سے واقف ہوں تو میں آپ سے برابر رابطہ قائم کرسکتا ہوں۔"

"میں واقف ہوں استعمال سے۔" خانم کی آواز میں مسرت انگیز کپکپاہٹ تھی۔ "اوہ...... مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ انتہائی مسرت۔ میں خود کو دشمنوں میں تنہا نہیں محسوس کروں گی۔"

"اسے اپنی خواب گاہ میں رکھوا لیجئے۔"

"میں ضرور رکھوں گی۔"

وہ ایک طویل سرنگ تھی جس میں وہ اس وقت چل رہے تھے۔ اچانک خانم ایک جگہ رک گئی۔ وہ ایک مقفل دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے جیب سے کنجی نکال کر قفل کھولا اور دروازے کو دھکا دے کر کھولتی ہوئی اندر گھسی۔ فریدی نے مشعل کی روشنی میں دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑا اسلحہ خانہ ہے۔ چاروں دیواروں پر مختلف قسم کی رائفلیں لٹکی نظر آ رہی تھیں۔ خانم نے ایک رائفل کی طرف

اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہی وہ رائفل ہے جس کا تذکرہ میں نے تم سے کیا تھا۔''

یہ لمبائی میں دو فٹ سے زیادہ لمبی نہیں تھی۔ فریدی نے اُسے اتار لیا۔ چند لمحے الٹ پلٹ کر اُسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''اس ساخت کی رائفل میرے لئے نئی ہے۔''

وہاں ایک طرف میک اپ کا سامان موجود تھا۔ فریدی نے سب سے پہلے جلدی جلدی شیو کیا کیونکہ اُسے شیو کرنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا۔ ڈاڑھی کافی بڑھی ہوئی تھی۔ خانم مشعل اٹھائے رہی۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ ایک خالص کراغالی نظر آرہا تھا۔ خانم کا لایا ہوا لباس بھی وہ پہن چکا تھا۔

''بالکل کراغالی...... سو فیصدی۔'' خانم نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

''کیا میں یہاں سے رائفل بھی لے سکتا ہوں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''بڑی خوشی سے۔'' خانم نے جواب دیا۔ ''تم خان کے دوست ہو۔ اس لئے ان کی چیزوں پر تمہارا حق ہے۔ اگر تم ان کی زندگی میں آئے ہوتے تو......'' خانم کی آواز گلوگیر ہوگئی۔

وہ پھر اس کمرے سے نکلے اور خانم دروازہ مقفل کرنے کے بعد ایک طرف چل پڑی۔

''ہمیں تقریباً ڈیڑھ میل چلنا پڑے گا۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''آپ تھک جائیں گی۔''

''کراغال کی کسی عورت سے کبھی یہ نہ کہنا۔'' خانم مسکرائی۔

''میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔'' فریدی بھی جواباً مسکرایا۔

کچھ دیر خاموشی سے چلتے رہے پھر خانم نے کہا۔ ''تمہارے بچے پریشان ہونگے اور بیوی بھی۔''

''بیوی تو پہلے بھی کبھی نہیں تھی البتہ بچے لاتعداد ہیں۔ ایک بوڑھا بچہ میں یہیں چھوڑے جارہا ہوں۔ خان یوسف...... کل وہ بیچارہ مجھے سیہ خانے میں نہ پاکر بہت مغموم ہوگا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ میں اس کھڈ میں چھلانگ لگاؤں گا۔''

پھر خانم کے استفسار پر اُس نے پورا واقعہ دہرایا۔

''یہ بہت اچھا ہے۔'' خانم بولی۔ ''اگر اُسے اس پر یقین آجائے۔ اس راز میں میں نے اسے بھی نہیں شریک کیا۔''

''ٹھیک ہے...... اچھا خانم...... آپ مجھے کس وقت مخاطب کیا کریں گی۔''

''جس وقت تم کہو۔ مگر میں تمہیں تمہارے نام سے نہیں مخاطب کرنا چاہتی۔ کوئی تیسرا بھی ہماری گفتگو سن سکتا ہے۔''

''ہوں......خیال درست ہے......اچھا آپ مجھے کرنل ہارڈ سٹون کے نام سے مخاطب کر سکتی ہیں۔''

دفعتاً فریدی کا دل بیٹھنے لگا۔ یہ نام حمید نے اسے دیا تھا۔ پتہ نہیں وہ کس حال میں ہو۔ خدا جانے......زندہ ہو یا......فریدی اس سے آگے نہ سوچ سکا۔ حمید کی موت خود اس کی موت ہوتی۔ اسے اُس سے ایسی ہی محبت تھی۔

''تم خاموش کیوں ہو گئے۔ کیا میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔'' خانم نے کہا۔

''نہیں کچھ نہیں۔ مجھے اپنا ساتھی یاد آ گیا تھا۔ پتہ نہیں اس کا کیا حشر ہوا ہو۔ ہاں مگر آپ مجھے کراغالی ہی زبان میں مخاطب کریں گی' یہ بھی خطرناک ہے۔ اگر ضیغم کا تعلق ان لوگوں سے ہوا تو یہ چیز آپ کے لئے مصیبت بھی بن سکتی ہے۔''

''میں کراغالی نہیں استعمال کروں گی۔ انگریزی بھی بول سکتی ہوں۔ خان نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔''

''یہ بہت اچھا ہے......میں آپ کو کس نام سے مخاطب کروں گا۔''

''ہارڈ اسٹون کی مناسبت سے کچھ ہونا چاہئے۔'' خانم مسکرائی۔

''روبی کیسا رہے گا۔''

''مناسب ہے۔''

مشعل کی روشنی کم ہوتی جارہی تھی۔ خدشہ تھا کہ وہ تھوڑی ہی دیر بعد بجھ جائے گی۔ خانم نے اسے محسوس کرلیا اور بولی۔ ''تھیلے میں ایک ٹارچ بھی موجود ہے۔ ویسے مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے لئے سگار نہ مہیا کرسکی۔ مگر شاید تم عادی نہیں ہو، ورنہ تمہارے چہرے پر اس کا اثر ضرور پڑا ہوتا۔ تمباکو نہ ملنے پر میں نے بہتیرے بے نور چہرے دیکھے ہیں۔''

''میں سو فیصدی عادی ہوں......لیکن پابند نہیں۔ میں مہینوں تمباکو کے بغیر بھی رہ سکتا ہوں۔''

''پھر اس عادت کو ترک ہی کیوں نہیں کر دیتے۔''

''چاہوں تو ترک بھی کرسکتا ہوں۔''

''اچھا کرنل ...... سرنگ کے دہانے پر تمہیں ایک گھوڑا ملے گا۔ وہ تمہیں شکار گاہ لے جائے گا۔ تم خود کو اُسی کی مرضی پر چھوڑ دینا۔ ان گھوڑوں میں سے ہے جنہیں خود خان ہی نے سدھایا تھا۔ یہ گھوڑا شکار گاہ کے لئے مخصوص ہے۔ لہذا تم اس پر اعتماد کر سکتے ہو۔ وہ شکار گاہ سے خود ہی واپس آجائے گا۔ ویسے اگر تم اسے آگے بھی لے جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

فریدی کی خواہش تھی کہ اب خانم خاموش ہی رہے تو بہتر ہے کیونکہ وہ اب اپنا لائحہ عمل مرتب کر رہا تھا۔ سرنگ طے کرنے میں آدھا گھنٹہ صرف ہوا لیکن فریدی یہ نہیں دیکھ سکا کہ دہانے پر رکھی ہوئی چٹان کس طرح ہٹی تھی۔ چٹان کے ہٹتے ہی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا در آیا۔

''کیا یہ چٹان میکنزم پر تھی۔'' فریدی نے پوچھا۔

''ہاں...... یہ میکنزم ہی ہے۔''

وہ دونوں سرنگ سے نکل آئے۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جس کے گرد اونچی چٹانیں تھیں۔ لیکن زمین مسطح تھی۔ وہیں قریب ہی ایک گھوڑا سفر کے لئے تیار موجود تھا۔

مشعل ابھی بجھی نہیں تھی وہ دونوں خاموش کھڑے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

خانم نے کہا۔ ''تمہیں یہاں جتنی بھی تکلیف پہنچی ہو اُن کے لئے معافی چاہتی ہوں۔''

''مجھے شرمندگی ہے خانم......'' فریدی بولا۔ ''میری وجہ سے آپ نہ جانے کتنی الجھنوں کی شکار رہی ہیں۔''

''الوداع......!'' خانم ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''صبح ہونے سے پہلے ہی تمہیں شکار گاہ تک پہنچ جانا چاہئے۔ جہاں سے بھی گھوڑے کو چھوڑنا ہو اس کا ساز اتار کر پھینک دینا۔ اگر یہ زین سمیت واپس آیا تو ہوسکتا ہے کہ لوگ شبہات میں مبتلا ہو جائیں۔''

''بہتر ہے...... میں زین اتار کر دریا میں ڈال دوں گا۔''

خانم کچھ کہے بغیر مشعل سنبھالے ہوئے سرنگ کے دہانے میں چلی گئی۔ فریدی نے چٹان کھسکنے کی آواز سنی اس کے بعد پھر وہی پہلے کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔

فریدی چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر راس ڈھیلی چھوڑ دی۔

تھوڑی دیر بعد گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ آسمان میں ابر ہونے کی وجہ سے چاندنی دھندلی تھی لیکن گھوڑا اپنے دیکھے بھالے راستے پر بے تکان دوڑ رہا تھا۔

ٹھیک ساڑھے چار بجے وہ شکار گاہ میں پہنچ گیا۔ یہ گھوڑا فریدی کے لئے کم حیرت انگیز نہیں تھا۔ وہ یکساں رفتار سے یہاں تک آیا تھا۔ فریدی اسے دریا کی طرف لیتا چلا آیا۔ پھر اس نے اس کی زین اتاری اور دریا میں ڈال دی۔ یہ فعل غیر دانشمندانہ ضرور تھا لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ راستہ نہ ملنے کی صورت میں دوبارہ محل کی طرف واپسی ناممکن تھی۔ اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ گھوڑے کو واپس ہی کر دیا جائے۔ حالانکہ وہ ایک کراغالی کے بھیس میں تھا لیکن زبان پر قدرت نہ ہونے کی بناء پر وہ یہاں خود کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ وہ دریا کے کنارے چلنے لگا۔ بادل چھٹ گئے تھے اور چاندنی بکھر گئی تھی۔

فریدی چلتا رہا..... اُسے کراغالیوں سے زیادہ اُن لوگوں کی فکر تھی جن کی بدولت یہاں تک پہنچا تھا۔ خانم کے بیان کے مطابق وہ کراغال کے پہاڑوں میں آزادانہ رہتے تھے۔ ایک آدھ بار خانم کے سپاہیوں سے ان کی جھڑپیں بھی ہو چکی تھیں۔ لہٰذا ایک کراغالی کی حیثیت سے بھی وہ خطرے میں تھا۔

وہ خیالات میں ڈوبا ہوا چل رہا تھا۔ اس لئے اندازہ نہیں کر سکا کہ منزل مقصود پر پہنچنے میں کتنی دیر لگی تھی۔

بہر حال اب وہ اس مقام پر تھا جہاں سے دریا ایک تنگ سے درے سے نکل کر وادی کراغال میں داخل ہوا تھا۔ فریدی نے درے میں ٹارچ کی روشنی ڈالی لیکن کہیں بھی قدم جمانے کی جگہ نظر نہ آئی۔ اب اُس نے گہرائی کا اندازہ کرنے کے لئے رائفل کو پانی میں ڈالا اور دوسرے لمحے میں اپنی توقعات پر مسرور ہونے کا موقع مل گیا۔ اُس جگہ بمشکل تمام گھٹنوں تک پانی رہا ہوگا۔ لیکن بہاؤ بہت تیز تھا۔ پھر بھی فریدی نے قدم رکھ ہی دیا۔ درہ اتنا تنگ تھا کہ دو آدمی بمشکل تمام برابر سے گذر سکتے تھے۔ فریدی نے داہنے ہاتھ سے رائفل اور بائیں ہاتھ سے ٹارچ پکڑ رکھی تھی اور بایاں شانہ چٹان سے نکالے وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

فریدی ہی جیسے جفاکش اور مشاق آدمی کا کام تھا اس کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک اس کے قدم اکھڑ گئے ہوتے۔ غنیمت یہی تھا کہ گہرائی ابھی تک یکساں ہی ملی تھی ورنہ دشواری بڑھ جاتی۔ مگر اب درہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی چوڑائی اتنی ہی رہ گئی تھی کہ ایک ہی آدمی گذر سکتا تھا۔ گہرائی بدستور وہی تھی۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ گہرائی شائد یہاں سے اُس غار تک یکساں ہی ہے ورنہ بیہوش

ہو کر گرنے کے بعد وادی کراغال تک پہنچتے پہنچتے اس کے پرخچے اڑ گئے ہوتے۔

مگر اچانک آگے راہ مسدود ہوگئی۔ وہ درہ ایک ٹھوس چٹان سے مل کر ختم ہوگیا تھا۔ لیکن تیز رفتار پانی اب بھی فریدی کے پیروں میں بہہ رہا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی نیچے ڈالی۔ پانی ایک بڑے سوراخ سے نکل رہا تھا لیکن اس سوراخ میں گھسنا کم از کم کسی ذی ہوش کے بس کی بات نہیں تھی۔ اگر بہاؤ دوسری طرف ہوتا تو شاید ایسا کیا بھی جاسکتا تھا۔ یوں سوراخ کافی کشادہ تھا لیکن چونکہ پانی کی سطح اس سے نیچی نہیں تھی اس لئے اس میں داخل ہونے کی کوشش کرنا پاگل پن ہی ہوتا۔ فریدی چٹان سے ٹک کر کھڑا ہوگیا وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اتنی محنت رائیگاں ہی جائے گی۔ کچھ دیر بعد اس نے ٹارچ کی روشنی اوپر ڈالی۔ تقریباً آٹھ یا دس فٹ کی بلندی پر اُسے ایک سوراخ اور نظر آیا۔ اس کا قطر کم از کم چار فٹ ضرور رہا ہوگا مگر وہاں تک پہنچنا بھی آسان کام نہیں تھا۔ ٹارچ کی روشنی دور تک رینگتی چلی گئی۔ پھر اُسے یاد آیا کہ جہاں سے وہ درے میں داخل ہوا تھا اگر وہیں سے اوپر چڑھے تو ممکن ہے کہ اس غار تک رسائی ہوجائے کیونکہ وہاں کی چٹانیں اس قابل تھیں۔

وہ پھر واپس ہوا اور جب درے سے باہر نکلا تو چاندنی مدہم ہوچکی تھی۔ ستارے بھی ایک ایک کرکے ڈوبتے جارہے تھے اور فضا میں پانی بہنے کے شور کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ فریدی چٹانوں پر پیر جماتا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ کیا خانم سچ مچ ہمدردی سے پیش آئی تھی۔ کیا اسے رام گڈھ تک پہنچنے کے دوسرے راستوں کا علم نہ ہوگا لیکن اس سلسلے میں اس نے راز داری ہی برتی تھی اور اس نے اسے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ محل والی سرنگ کا دہانہ باہر سے کس طرح کھل سکے گا۔ اس کا رویہ فریدی کی سمجھ میں نہ آسکا۔

ویسے وہ اس وقت اس پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ چٹانوں پر قدم رکھتا ہوا اوپر چڑھتا رہا۔ زرد اور بے نور چاند مشرق کی طرف جھک گیا تھا اور آسمان میں اکا دکا ستارے جماہیاں لے رہے تھے۔

وہ غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ ٹھیک اُسی وقت اُسے آوازیں سنائی دیں۔ جیسے بہت سے آدمی کسی اونچی چھت والے کمرے میں چل رہے ہوں۔ قدموں کی گونجیلی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ پھر وہ دور ہوتی چلی گئیں۔ حتیٰ کہ پھر پہلے ہی جیسا سکوت طاری ہوگیا۔ آوازیں اُسی